رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی۔اے۔ ایل ایل بی

مسلم مشنری

مولوی صدرالدین بی۔اے۔ بی ٹی

قیمت تین روپے سالانہ

یہ کارِ ثواب ہے کہ آپ ان رسالجات کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انھیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے۔ رسالہ ہذا کی دس ہزار اشاعت ووکنگ مشن کے کل اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے

جلد (۵) | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۹ء | نمبر (۳)

نہرست مضامین

(۱) شذرات ۹۷

(۲) لندن میں جلسہ مولود النبی صلعم ... ۹۸

(۳) اخبار نیر الیسٹ کی روئداد یوم ولادت آنحضرت صلعم سے متعلق ... ۱۰۰

(۴) احادیث و اقارب و شفقت ... ۱۰۱

(۵) جناب رسالت مآب اور آپ کا مشن ... ۱۰۳

(۶) توبہ ۱۱۳

(۷) حضرت محمد صلعم کی شخصیت ... ۱۱۷

(۸) ذرات عالم کا مذہب ... ۱۲۲

(۹) فلسفہ کا مذہب ... ۱۳۳

(۱۰) القرآن ... ۱۳۴

انتخاب از بخاری ۱۴۳

اسلامیہ پریس لاہور میں خواجہ مظہر الدین کے اہتمام سے چھپوا کر خواجہ عبدالغنی منیجر رسالہ اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

اِطلاع عام

(۱) رسالہ اشاعت اسلام ہر انگریزی مہینہ کی چھبیس (۲۶) تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس اتفاقاً کوئی پرچہ نہ پہنچے تو اُسے دوسرے ماہ کی دس تاریخ تک منگا لینا چاہئے ورنہ پھر ملنا ناممکن ہے (۲) رسالہ "اشاعت اسلام" ایک ہی قسم کے اعلےٰ کاغذ پر ادنیٰ و اعلیٰ امیر و غریب کے لئے چھپتا ہے جس کی سالانہ قیمت عہ معہ محصولڈاک ہے جو بہرحال پیشگی آنی چاہئے۔

(۳) سال ختم ہونے پر اگر کسی خریدار کی طرف سے کوئی انکاری اطلاع دفتر میں نہ پہنچیگی تو ہم آیندہ سال کا چندہ وصول کرنے کے لئے وی پی بھیجنے کے مجاز ہونگے (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ آنا چاہئے۔ شکایتی خطوط میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔ نام و پتہ خوشخط لکھنا چاہئے ورنہ تعمیل نہ ہوگی۔

منیجر رسالہ

نکات القرآن (چہار حصص) قرآن کریم کے پہلے پانچ پاروں پر تفسیری نوٹ ہیں جنہیں زمانہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مولوی محمد علی صاحب لطیف تفسیر کی ہے۔ ملک کے نامور اخبارات زمیندار۔ وطن وغیرہ نے اس پر بہت اچھے ریویو کئے ہیں۔ قیمت عہ

مسیح موعود اس کتاب میں نزول ابن مریم پر سیر کن بحث کی گئی ہے حضرت مسیح کس طرح نازل ہونگے کب نازل ہوں گے۔ ان تمام سوالات کو قرآن مجید اور احادیث سے حل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب نہایت ہی قابل دید ہے۔ قیمت عہ مجلد ۲ عہ

جمع قرآن اس کتاب میں جمع قرآن کے متعلق تمام تاریخی واقعات کو نہایت تحقیق سے لکھا گیا ہے اور جو اعتراضات حفاظت قرآن پر غیر مذاہب کیا کرتے تھے ان کا رد کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر منگانا کے صحائف قرآنی کی حقیقت المشرح کی گئی ہے قیمت ۱۰ر

حقیقۃ المسیح ازروئے بائبل قرآن عیسائیوں کے ان اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے جو وہ حضرت مسیح کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلعم کی ذات مقدس پر کیا کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کے ہاتھ میں یہ کتاب ہونی چاہئے قیمت ۲ر

المشتہر۔ خواجہ **عبدالغنی** منیجر رسالہ **اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل لاہور**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لنڈن!

جلد (۵) بابت ماہ مارچ ۱۹۱۹ء نمبر (۳)

شذرات

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے۔ کہ حضرت خواجہ صاحب کی طبیعت رو بصحت ہے +

حضرت خواجہ صاحب ان ہمدرد احباب کے تہ دل سے شکر گذار ہیں جنہوں نے ان کے فرزند اکبر کی حسرتناک وفات پر براہ راست مسجد ووکنگ کے پتہ پر انکی خدمتمیں تعزیہ نامے ارسال فرماکر اپنی دلی ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ چونکہ آپ کی طبیعت مدت سے علیل تھی۔ اسلئے فرداً فرداً ہر ایک مشفق احباب کے گرامی نامہ کا جواب آپ دینے سے قاصر رہے۔ ہمیں ووکنگ ہیڈ آفس سے اب ہدایت ملی ہے۔ کہ انکی طرف سے ان سب مشفق و مخلص احباب کا اُس دلی ہمدردی اور شفقت کے اظہار کا مجموعی طور پر بذریعہ رسالہ ہذا شکریہ ادا کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان سب مخلص دوستوں کو اپنی بارگاہ سے اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین +

مسلمانان لنڈن کی سوسائٹی کے زیر اہتمام اتوار کے اجلاس لنڈن مسلم نماز گاہ میں باقاعدہ منعقد ہوتے ہیں۔ گذشتہ اشاعت میں جن اجلاس کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ انکے علاوہ

مندرجہ ذیل اجلاس نماز گاہ مذکورہ میں منعقد ہوئے +

۲۹ دسمبر سنہ ۱۸ء کو جناب مسٹر ڈوڈلے رایٹ صاحب نے لیکچر فرمایا۔

۵ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر ایم پکتھال صاحب نے "اسلام میں عبادت کے مفہوم" پر لیکچر فرمایا +

۱۲ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء جناب رایٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے بالقابہم نے "زندگی بعد الموت" پر لیکچر دیا +

۱۹ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء کو جناب مسٹر ڈوڈلے رایٹ صاحب نے لیکچر فرمایا +

۲۶ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء جناب مسٹر ایس۔ ایچ رضا صاحب نے لیکچر فرمایا +

جیسا کہ مندرجہ بالا پروگرام سے اور ان پروگراموں سے جو وقتاً فوقتاً رسالہ ہذا میں درج ہوتے رہے ہیں عیاں ہوتا ہے۔ کہ لندن مسلم سوسائٹی نے اپنی تبلیغی جدوجہد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ اور گذشتہ کئی ایک ماہ سے مسلسل طور پر اجلاس منعقد کر کے مذہبی اشتیاق پیدا کر رہی ہے۔ ان اجلاسوں کے پروگرام ہر ماہ شائع ہوتے ہیں۔ اور جو احباب ان اجلاسوں کے اصل انگریزی پروگراموں کے دیکھنے کے متمنی ہوں از راہ کرم مندرجہ ذیل پتہ پر چٹھی لکھ کر منگوالیں +

پروگرام ملنے کا پتہ :- آنریری سیکرٹری۔ لندن مسلم سوسائٹی۔ ۱۱۱ کیمپڈن ہل روڈ لندن۔ ویسٹ نمبر ۸ +

مسجد ووکنگ میں بھی حسب معمول اتوار کو بعد از دوپہر لیکچر برابر ہوتے ہیں۔ اور جناب مسٹر ایس شمس اور جناب مسٹر سی سلیمان اور جناب مسٹر عبد القیوم صاحب ملک تقاریر برابر فرماتے رہتے ہیں +

لندن میں جلسۂ مولود النبی صلعم

مورخہ ۱۲ دسمبر سنہ ۱۸ء بروز ہفتہ بمقام ۲۱ کرومول روڈ جنوبی کنگسٹن سنٹرل اسلامک سوسائٹی کے زیر اہتمام آنحضرت صلعم کا یوم ولادت بڑی تزک و احتشام سے منایا گیا۔ جناب شیخ

مشیر حسین صاحب قدوائی آنریری سکرٹری نے کچھ عرصہ پیشتر ہی سے اس تقریب کیلئے احباب کو مدعو کیا ہوا تھا۔ مہمانوں کی تعداد ڈیڑھ صد سے تجاوز کر گئی۔ اس مجمع میں مرد و خواتین دونوں طبقہ کے لوگ شامل ہوئے۔ جن میں تقریباً تمام مذاہب و ملل کے بڑے بڑے نمایندے بھی تھے۔ جن کا جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی اور جناب ملک عبد القیوم صاحب نے استقبال کیا۔ سوسائٹی مذکورہ کے میر مجلس جناب میرزا ہاشم اصفہانی صاحب نے زمانہ کے شہرہ آفاق مقرر جناب مسٹر ڈڈلے رایٹ کو معرف کراتے ہوئے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلعم کی سوانحعمری اور آپ کی اعلیٰ شخصیت پر اجمالاً روشنی ڈالی۔ اور صاحب صدر نے فرمایا کہ میرا افتتاحیہ خطاب اس عظیم بالشان تقریر کی ایک قسم کی تمہید ہے۔ جو جناب مسٹر ڈڈلے رایٹ نے آج کی شب آپکے سامنے فرمانی ہے۔ اور جن کی خدمت اقدس میں میں اب مؤدبانہ عرض کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنی گرانقدر تقریر سے معزز سامعین کو مستفیض فرمائیں۔ فاضل لیکچرار نے نسل انسانی میں سے اشرف الناس و خیر البشر کے حالات زندگی پر ایک بسیط لیکچر دفرمایا۔ اور موجودہ زمانہ کے عجیب و غریب حالات کو پیش نظر رکھ کر آپکے حالات زندگی کے موضوع پر بہت دیر تک تقریر فرمائی ہمیں امید ہے کہ یہ عظیم الشان و بسیط تقریر اسلامک ریویو کی کسی آیندہ اشاعت میں شائع ہو جاویگی۔ فاضل لیکچرار کے بعد جناب مسٹر ایس ایچ رضا صاحب نے تقریر فرمائی جسمیں انہوں نے سامعین کی توجہ خصوصیت سے گذشتہ زمانہ میں اسلام کی جبروت سطوت اور شان و شکوہ کی طرف اور پھر آیندہ زمانہ میں اسکے شاندار مستقبل کی طرف منعطف کی۔ ان کے بعد آنریبل جناب مسٹر باسو نے تقریر فرمائی جو کہ سکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا کی کونسل کے ایک ممبر ہیں۔ جنھوں نے اپنے معمولی فصیح و موثر پیرایہ میں آنحضرت صلعم کے حالات زندگی کی سادگی اور جمہوریت کی حقیقی روح کو جو آپنے نسل انسانی کے ایک کثیر طبقہ میں پھونکی تھی۔ تصدیق فرمائی۔ اور یہ ایسی تصدیق ہے کہ جسپر ہند و روایات اور تہذیب جس قدر بھی فخر کرے بجا ہے۔ اس موثر تقریر کے اختتام پر نعرہ تحسین و توصیف بلند ہوا۔ اور اس تقریر میں انہوں نے آنحضرت صلعم کے اس عظیم الشان رتبہ کا اعتراف فرمایا جو کہ اہل تدبر کے قلوب میں بغیر کسی مذہب و ملت کے امتیازات کے جاگزین ہے۔ اسکے بعد

صاحب صدر نے معزز لیکچراروں کی قابل قدر تقریرات کا اور سامعین کی شرکت کا شکریہ ادا کیا۔ اور اجلاس کا تمام مجمع چائے کے لیے برخاست ہوا +

اخبار نیرایسٹ کی روئداد یوم ولادت آنحضرت صلعم کے متعلق

معاصر مسلم ہیرلڈ نے نیرایسٹ سے اسلامک سوسائٹی لندن کے اس جلسہ کی روئداد نقل کی ہے جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت منانے کیلئے منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مسلمانوں کی علاوہ بہت سے غیر مسلم ہندوستانی بھی موجود تھے جن میں سے آنریبل جناب لارڈ سنہا اور آنریبل مسٹر باسو قابل ذکر ہیں۔ پہلے مسٹر ڈولے رائٹ نے جو کچھ عرصہ ہوا حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ ایک تقریر میں آنحضرت صلعم کی زندگی کے پاکیزہ حالات بیان کئے۔ اور اسکی تعریف وتوصیف کی۔ ان کے بعد آنریبل مسٹر باسو نے حیات بعد الموت کائنات کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ کسی مذہب نے اپنے پیروؤں کو مساوات اور اتحاد کی تعلیم نہیں دی جس قدر مذہب اسلام کے نبی نے دی ہے۔

اشاعت اسلام:۔ جناب مسٹر باسو کے یہ خیالات اس قابل ہیں کہ اہل ہند انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھیں۔ یقیناً اگر ملک میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں۔ جو ایک دوسرے مذہب کے بزرگوں اور پیشواؤں کو بُرا کہنے کی بجائے ان کی خوبیوں اور نیک باتوں کی قدر کیا کریں۔ اور ان کا عزت کے ساتھ نام لیں اور زبانی ہی نہیں بلکہ عملاً بھی دوسرے مذاہب کے لوگوں سے رواداری اور حسن سلوک کا برتاؤ رکھیں تو تمام آئے دن کے مناقشات فسادات تنازعات یکقلم موقوف ہو جائیں اور قومیت متحدہ کی ناؤ آج کنارے لگ جاتی ہے۔ کیا ہمارے برادران وطن مسٹر باسو کی قابل قدر تقلید کیلئے تیار ہونگے؟

بے نظیر سرمہ سوائے ان چند امراض کے جن کا علاج اپریشن یا بالکل لا علاج ہیں سب امراض کے رفع کرنے میں لاثانی ہے۔ سمیت ممیرہ ہے اور نہ ہی موتی۔ مگر عینک تک چھڑا دیتا ہے علاوہ سر کو ٹھنڈا رکھنے اور محافظ چشم ہونے کے آشوب چشم۔ ضعف بصارت۔ دھند۔ موتیا بند۔ پھول پلکوں کا گر جانا۔ غبار۔ جالا۔ خارش۔ ککرے۔ پڑوال۔ پانی کا بہنا وغیرہ وغیرہ کے واسطے بہ صفت موصوف ہے۔ تندرستی کی حالت میں استعمال کرنا گویا آنکھوں کی رجسٹری کرانا ہے۔
قیمت فی تولہ دو روپے چار آنے محصولڈاک ... (۱۲/۸)
المشتہر۔ ایم۔ ایم۔ رحمانی دواخانہ اکبری دروازہ لاہور

خویش و اقارب کے ساتھ ہمدردی اور شفقت

از قلم والا منزلت تاج الہند حضرت علیا نواب سلطانہ جہاں بیگم صاحبہ جی سی ایس - آئی - جی سی آئی - ای
فرمانروائے بھوپال ادام اللہ ملکہا تے دالافضال

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ امرا اور صاحب حیثیت لوگ اپنے مفلس رشتہ داروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں - ان میں سے اکثر تو ایسے ہیں - جو ان مفلسوں کے ساتھ کسی قسم کے ہمدردی محبت اور نیکی کے ساتھ سلوک کرنا پسند ہی نہیں کرتے - اور اس بات کو وہ بالکل بھول جاتے ہیں - کہ غریب لوگ بھی ان ہی کی طرح انسانی جامہ پہنے ہوئے ہیں - گو وہ کسی خاص وجہ سے جس میں اُن کا کوئی قصور نہیں صاحب ثروت نہیں ہو سکے - ایک سچا مسلمان کبھی اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ تمام نظام عالم میں اللہ تعالےٰ نے کسی کو بھی جبلی نقائص و عیوب کے ساتھ پیدا نہیں کیا - اور اگر کوئی شخص ایسا خیال کرتا ہے - تو حقیقت میں وہ اپنے اور اپنے متعلقین کے درمیان ایک اختلاف کی وجہ پیدا کرتا ہے جو ہم سب کے مالک و حافظ حقیقی کے سامنے اور نیز اپنے صاف و صحیح فطرت انسانی کے نزدیک ناپسندیدہ ہے - علاوہ ازیں تمام دنیاوی مال و متاع بالکل غیر یقینی ہیں - یہ شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی خاندان کے ممبر اپنی جائداد کو اپنے قبضہ میں ہمیشہ رکھ سکے ہوں - اسلئے ہمیں چاہئے کہ ہم تکبر اور جھوٹے غرور کے گھوڑے پر سوار نہ ہوں - کیونکہ خدا اس بات سے خوش نہیں ہوتا - ابلیس کے زوال کے قصہ سے ایک بہت بھاری اخلاقی سبق حاصل ہوتا ہے - یعنے جو لوگ اسکی طرح غیر ضروری اور بے حقیقت غرور سے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرینگے - ان کا حشر بھی ویسا ہی ہوگا - پس چاہئے کہ ہم میں سے وہ لوگ جن کے پاس اپنے متعلقین احباب اور ہمسائگان کے مقابلہ میں زیادہ دولت ہے یا جو زیادہ صاحب اثر ہیں - وہ بوقت ضرورت اس سے ان کی امداد کریں - اور بڑی عاجزی سے اپنے رزاق حقیقی کا اسکی تمام عنایات جسمانی و روحانی کا خیال کر کے حمد و شکر کریں جس نے کہ انہیں اس قسم کی طاقت و ہمت دی ہے - اللہ تعالےٰ کا شکریہ اس سے بہتر صورت میں نہیں ہو سکتا کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور رفاقت کے ساتھ برتاؤ کریں جن کا سب سے زیادہ خواہ سلے

میں ہم پر ہے۔ یعنے ہمارے نادار رشتہ دار +

رسول اکرم حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قوم کی توجہ کو مفلس رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنے کی خوبی کی طرف مبذول کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ابتدائی اسلامی تاریخ کی ورق گردانی سے ایک مختصر سا لیکن دلچسپ واقعہ کا پتہ ملتا ہے حضرت صفیہؓ حضرت رسول مقبول کی بیوہ کے خلاف جو یہودی تھیں حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کے پاس شکایت اس امر کی پیش ہوئی کہ وہ شنبہ کا دن یہودیوں کی طرح متبرک خیال کرتی ہیں۔ اور یہودیوں کی وہ بہت ساری امداد کرتی ہیں۔ حضرت صفیہؓ نے جواباً فرمایا کہ جب سے وہ اسلام میں داخل ہوئی ہیں انہوں نے ہفتہ کے تمام دن مذہبی امور کے لحاظ سے یکساں خیال کئے ہیں۔ اس لئے ہفتہ کا دن اُن کی نظر میں زیادہ متبرک نہیں لیکن اسمیں شک نہیں کہ وہ اپنے غریب یہودی رشتہ داروں کی حتے الامکان ہمدردی کرتی ہیں۔ چونکہ اب وہ مسلمان ہوگئی ہیں۔ اسلئے ان کو اُن لوگوں کی بہبودی کی نسبت زیادہ تردد ہے۔ جو امداد کے لئے ان کے محتاج ہیں۔ یہ ایک اسلامی زندگی کی مثال ہے +

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کہ اس شخص کی عبادت اور نمازیں اُسے کوئی کام نہ دینگی جو اپنے نادار متعلقین کے ساتھ باوجود استطاعت رکھنے کے ہمدردی اور نیک سلوک نہیں کرتا۔ سب سے بڑی عبادت اللہ تعالیٰ کی نظر میں خیرات اور رحم ہے۔ قرآن کریم اور احادیث رسول کریم صلعم میں اس قسم کی ہدایات و احکام بکثرت ہیں جو امراء کو بالخصوص مباہات سے روکتے ہیں۔ کہ وہ اپنے ذاتی مال و جاہ کے لغو سودا کو اپنے سر میں سمانے دیں۔ اور اپنے غریب دوستوں اور رشتہ داروں کو اپنی وجاہت کے باعث حقیر خیال کریں۔ ایسا کرنے سے ہمدردی اور محبت کے اس لطیف جوہر کی ہم قدر نہیں کرتے جس سے انسان اشرف المخلوقات خیال کیا جاتا ہے +

سب جانتے ہیں کہ دنیا میں بھی عزت و افتخار حاصل کرنے کیلئے احسن طریق یہی ہے کہ انسان اُن کی مدد کرے جو محتاج ہیں۔ لیکن دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا صلہ اسلام میں صرف دنیاوی ہی نہیں بلکہ وہ عاقبت میں اس سے زیادہ خوشی و راحت کا وعدہ دیتا ہے +

مہمان کی مناسب اور گرمجوشی سے مدارات کرنا انسان کا ایک ضروری خاصہ ہے انسان کیلئے لازمی ہے کہ اپنے دشمن کو بھی اپنے پاس فراخ حوصلگی سے رکھے جبکہ وہ اسکے پاس پناہ کیلئے آئے

ایک مشہور اسلامی ضرب المثل ہے کہ چاند اپنی روشنی ادنےٰ سی جھونپڑی پر بھی ڈالتا ہے۔ اور اسی طرح درخت اس شخص کو بھی اپنے سایہ سے محروم نہیں کرتا جو اس کے کاٹنے میں مصروف ہے۔ یہ الفاظ مشرقی دانائی سے معمور ہیں۔ پس ہر ایک دولتمند شخص کو چاہئے کہ وہ دست اعانت اس شخص کی طرف دراز کرے جو اس سے کم حیثیت کا ہے۔ اور چاہئے کہ ہم سب آپس میں بھائیوں کی طرح رہیں *

جناب رسالتمآبؐ اور آپؐ کا مشن

(خطبہ جو مسٹر ڈڈلے رائٹ نے بروز اتوار مورخہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو بمقام مسلم پرئیر ہوس لنڈن پڑھا)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس مذہب کی تعلیم دی اس کے زیادہ اہم اور نمایاں مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں متعدد بار آیا ہے کہ ہر ایک قوم اور نسل کے پاس کسی نہ کسی عہد میں دین حقہ کی تعلیم دینے کے لئے نبی یا منذر بھیجے گئے ہیں۔ گو قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے تمام ایسے انبیا یعنی مرسلین کاملین کا فرداً فرداً نام آیا ہے تاہم بعض کے نام بتائے گئے ہیں سورۃ النساء آیات ۱۶۳ سے ۱۶۵ میں آتا ہے:-

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہٖ واوحینا الی ابراھیم واسمعیل واسحق ویعقوب والاسباط وعیسی وایوب ویونس وھارون وسلیمن واتینا داود زبورا ہ ورسلاً قد قصصنٰھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک ط وکلم اللہ موسی تکلیما ہ رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل ط وکان اللہ عزیزا حکیما ہ

ترجمہ (اے پیغمبر) ہم نے تمہاری طرف (اسی طرح) وحی بھیجی ہے۔ جس طرح ہم نے نوح اور (دوسرے) پیغمبروں کی طرف جو ان کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی۔ اور (جس طرح) ہم نے ابراہیم اور اسمعیل اور اسحق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسےٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی۔ اور (تمہاری طرح ہم) کتنے پیغمبر (بھیج چکے ہیں) جن کا حال ہم (اس سے پہلے) تم سے بیان کر چکے ہیں۔ اور کتنے پیغمبر (اور) جن کا حال ہم نے تم سے (اب تک) بیان نہیں کیا۔

اور اللہ نے موسیٰ سے (تو باتیں بھی کیں (یہ سب) پیغمبر (نیکوں کو جنت کی) خوشخبری دینے والے اور (بدوں کو عذاب خدا سے) ڈرانیوالے (تھے) تاکہ پیغمبروں کے (آنے) کے پیچھے لوگوں کو خدا پر کسی طرح کا) چھدا (رکھنے کا موقع باقی نہ رہے۔ اور خدا غالب (اور) حکمت والا ہے +

ان تمام انبیا میں سے تین نبی سب سے زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے یہودی مذہب کی بنیاد ڈالی دینِ مسیح کے بانی حضرت یسوع مسیح اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بانی اسلام حضرت موسیٰ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی اور وہ کلام اور اعمال میں قوت والا تھا" (کتاب اعمال باب ۷ آیت ۲۲) اور اس شہرت کے لحاظ سے جو اس زمانہ میں مصر کو علوم کے بارہ میں حاصل تھی۔ یہ بات ان کے کمال کسب علم پر دلالت کرتی ہے +

یسوع کی تعلیم و تربیت عہد طفلی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں لیکن بارہ سال کی عمر میں ہم اُسے ہیکل میں اُستادوں کے بیچ میں بیٹھے اُن کی کلام سُنتے اور اُن سے سوال کرتے ہوئے" دیکھتے ہیں۔ اور جتنے اس کی سُنتے تھے اسکے ادراک اور اسکے جوابات سے دنگ رہجاتے تھے" اس واقعہ کے بعد انکی تیسویں سالگرہ تک ان کا کچھ پتہ نہیں چلتا+ لیکن اکثر مشہور علما کی رائے ہے کہ مسیح علیہ السلام کا درمیانی عرصہ ایسینوں کی معیت میں بسر ہوا۔ جس فرقے کا یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ایک رکن بن گئے تھے۔ یہ ایک یہودی فرقہ تھا جو صوفیانہ تعلیمات کے لئے مشہور تھا

ان تینوں اولوالعزم نبیوں میں سے حضرت محمد صلعم ہی اُمّی تھے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن ان تینوں میں سے حضرت محمد صلعم ہی ایسے ہیں جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنا مشن پورا کرلیا۔ اور کسی دوسرے نبی کو نصیب نہیں ہوا کہ آپ کے برابر دلوں پر اثر پیدا کرے +

اور دو مذاہب عیسائیت اور اسلام میں سے (یہودی مذہب چونکہ اپنے دائرہ اثر میں بہت محدود ہے۔ اسلئے عام دلچسپی نہیں رکھتا) صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو اپنی اصلی حالت میں قائم رہا ہے +

یسوع مسیح کے مشن کا خاتمہ ناکامی پر ہوا برعکس اس کے کہ حضرت محمد صلعم کا مشن کامیاب ہوا +

یسوع مسیح کے مشن کا نصب العین کیا تھا؟ بوڑھے شمعون نے جو ہیکل میں اسرائیل کی تسلی کا

منتظر تھا ملکے یسوع کو اپنی گود میں لیا اور کہا کہ وہ غیر قوموں کو روشنی دینے والا نور اور تیری قوم کا جلال بنے" (لوقا باب ۲ فقرہ ۳۲) یسوع نے خود اپنے مشن کے متعلق ذکر کیا ہے کہ اس غرض و غایت یہ ہے کہ اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو راہ راست پر لانا تھا۔ اور جبکہ کنعانی عورت نے اپنی بیٹی کے واسطے التجا کی۔ تو اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور اپنے شاگردوں کو یہ وجہ بتائی کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے لئے نہیں بھیجا گیا" جب وہ عورت اور بھی نزدیک آگئی اور اسکو سجدہ کیا پھر بھی مسیح نے اسے یہی کہا۔ کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینی واجب نہیں" (متی باب ۱۵ فقرہ ۲۸-۲۱) جب مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو باہر بھیجا تو ان کو حکم دیا (متی باب ۱۰ فقرہ ۶-۵) کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ پس مسیح کا مطمح نظر یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح کرے۔ اور بنی اسرائیل کے ذریعہ غیر قوموں کی برکت کا باعث ہو۔ اور یہ بعینہٖ وہی مقصد تھا جو حضرت موسیٰ کے پیش نظر تھا +

اِس مشن کا آخری حشر کیا ہوا۔ اپنی ارضی زندگی کے اختتام پر ہم مسیح کو اس طرح نوحہ خوان دیکھتے ہیں (متی باب ۲۳ فقرہ ۳۷) "اے یروشلم۔ اے یروشلم۔ تو جو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ہیں انہیں سنگسار کرتی ہے! کتنی ہی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں۔ مگر تم نے نہ چاہا +

اسرائیل کے گھرانے کی وہی کھوئی ہوئی بھیڑیں تھیں جو مسیحی نوشتوں کے مطابق پیش از پیش سے چلاتی تھیں کہ اسکو صلیب دو صلیب دو" جب وہ مصیبت اور خطرے کی حالت میں تھا۔ تو اس کے سب شاگردوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے بلکہ وہ شاگرد جس کے متعلق رومن کیتھولک عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ چٹان جن پر کلیسا کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ پہلے تو مسیح کے پیچھے دور دور آتا رہا۔ پھر اس نے انکار کیا۔ اور بعد ازاں اس انکار کو اور بھی مضبوط بنانے کے لئے لعنت اور قسم کے ساتھ انکار دہرایا +

اِن واقعات کا رسول اللہ صلعم کی زندگی کے آخری مناظر کے ساتھ مقابلہ کرو۔ جن کا ذکر

واشنگٹن ارونگ اور دوسرے مؤرخین نے کیا ہے۔ اور دیکھو کہ کسقدر جمِ غفیر اس مقام کے جہانتک نزدیک ہو سکا جمع ہو گیا جہاں کہ اس فخرِ بنی نوع کی پاک روح نے فرشتہ اجل کو لبیک کہا تھا۔ اور جن کا غم ضبط ہونے میں نہ آتا تھا۔ رسول اللہ صلعم کا تسلیم کردہ مذہب اس سرعت سے پھیلا جس کی نظیر کسی دوسرے پیغمبر کے حالات میں نہیں ملتی۔ اور آنحضرت صلعم کی وفات سے نصف صدی سے بھی کم عرصہ میں بڑے بڑے پُر رونق مرکزوں میں فتح کے جھنڈے لہرانے لگے +

کیا مسیح غیر قوموں کو روشنی دینے والا نور بنا؟ ساتویں صدی ہی جسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے دینِ مسیحی کی تاریخ میں نہایت پلید اور ذلیل صدی تھی۔ اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ مسیحی فن معذرت کی کوئی کمی تھی وہ عجیب و نادر فن جس کی آجکل اسقدر آؤ بھگت ہوتی ہے۔ وہ زمانہ مسیحی مصنفین سے بھرا پڑا تھا۔ جو مذہبی مباحثات میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن انمیں سے کسی ایک کو بھی یہ حوصلہ نہ ہوا کہ اس حقیقت کی مدلل تردید کرے۔ جس کا القاء محمد صلعم کے مبارک دل پر ہوا اور جو آپؐ نے دین کے طریق پر سکھائی اس زمانہ کی طرح تب بھی مذہبی مباحثات میں وقت ضائع کیا گیا۔ اور اس مذہب کی طرف توجہ نہ دی جس کی بنیاد ذاتی معرفت پر ہو۔ مسیحیت قریباً دو ہزار سال سے دنیا کے سامنے رہی ہے لیکن آج اس کا کیا حشر ہے۔ ریورنڈ ڈاکٹر آرچرڈ اپنی کتاب مذہب کا مستقبل (صفحہ ۷۰) میں اس سوال کا جواب ذیل کے الفاظ میں دیتا ہے:۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزائر میں بالخصوص دیندار لوگوں کی تعداد بہت قلیل رہ گئی ہے گو وہ ایسی حالت میں قوم کے اخلاق کی درستی کی وجہ صرف خدا کی مہربانی قرار دیں گے۔ لیکن آبادی کا کثیر حصہ اس درستی اخلاق کی توجیہ سے قطعی قاصر ہے جس کی بنا اپنی ذات کے سوا کسی دوسری خارجی چیز پر ہو۔ بشپ آف ہرفرڈ نے اپنی ایک تقریر میں اس رائے کا اعادہ کیا ہے جو گذشتہ منگل کے دن (۲۲- اکتوبر) ڈیلی ٹیلیگراف میں شائع ہوئی تھی:۔

جنگ کا اثر کلیسیا کے اثر و رسوخ کے حق میں بہت برا رہا ہے۔ لیکن مسیح کے مذہب کے خلاف نہیں۔ ہر جگہ یہ محسوس کیا جاتا ہے۔ کہ ان وسائل میں جن کی وساطت سے صلح کی

انجیل اپنا پیغام قوموں کو پیش کرتی ہے جو اُسی کی پیاس اور اشتہا رکھتی ہیں کوئی ایسا نقص واقع ہوگیا ہے جو بیحد غیر تسلی بخش اور حیران کرنیوالا ہے - ہر ایک شخص کو یہ صاف طور پر معلوم ہوگیا ہے کہ مسیحی سوسائٹی جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہوگئی ہے - جو ایک متحدہ آواز سے نہیں بول سکتی اور جو اپنے افراد میں اتحاد قائم نہیں رکھ سکتی - اس سوسائٹی کا اس انجیل کے ساتھ کوئی تطابق نہیں ہے - جو تمام نوع انسانی کے ساتھ بحیثیت مجموعی واسطہ رکھتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں اپنے دشمنوں سے محبت کرو - لیکن برعکس اس کے یہاں یہ حالت ہے کہ مسیحی کلیسیا کے مختلف فریق جو ایک ہی مذہب کے پیرو ہیں اپنے میں نہایت ہی سخت دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں +

حضرت محمد صلعم نے کوئی نیا مذہب نہیں سکھایا یہ اُن کا منشا نہیں تھا - مسیح کا بھی یہ مقصد نہیں تھا - اپنی پبلک زندگی کے آغاز میں ہی مسیح نے کہدیا تھا - کہ یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں مسیح کا تعلیم کردہ مذہب وہی پرانا یہودی کلمہ تھا "کہ تم اپنے خداوند خدا سے پُورے دل سے جان سے اور امن سے محبت کرو" رسول اللہ صلعم نے بھی اسی مذہب کی تلقین کی - یسوع نے یہودیوں کا ایک اور کلمہ اختیار کیا "سنو اے بنی اسرائیل خداوند خدا ایک ہے" رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے بعینہٖ مطابق ہے - لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفواً احد - نہ اس سے کوئی پیدا ہوتا ہے - اور نہ کسی سے وہ پیدا ہوا - اس جیسا کوئی نہیں +

مسیح اور محمد صلعم دونوں اپنے زمانہ کے سلسلہ کہانت کے خلاف تھے بشپوں پادریوں اور ڈیکنوں[1] اور ان کے لوازمات سے جو اس زمانہ میں ان مناصب سے متعلق ہیں مسیح بالکل بیگانہ تھا - اپنے زمانے کے سلسلۂ کہانت پر مسیح نے بالفاظ صریح لعنت کی ہے - اس کے مقرر کردہ شاگرد بھی ان عہدہ داروں کی ہستی سے بیخبر تھے - جو کہانت کا کام کرتے ہیں - اس زمانے میں کوئی پوپ یا کارڈینل یا محترم عالی باپ یا بہت محترم ڈین بلکہ معزز آرچ ڈیکن بھی کوئی نہیں تھے - کیا کوئی شخص اشہب تخیل کی باگیں نہایت ڈھیلی چھوڑ کر بھی یہ منظر اپنے ذہن میں لاسکتا ہے کہ بانی دین مسیحی اثنا سیہ مذہب کے لعنت کے آمیز کلمات کا راگ الاپنے میں دوسروں کا ساتھ دے رہا ہے

۱؎ کلیسیا کا عہدہ دار +

یا زمانۂ حال یا سابق کے کسی غیظ آلود مذہبی مباحثہ میں حصہ لے رہا ہے۔ ایک لحاظ سے رسول اللہ صلعم کا مشن اپنے تقریباً تمام پیشروؤں کے مشن سے مختلف تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کے مشن سے تو ضرور اختلاف رکھتا تھا۔ کیونکہ محمد صلعم معجزے دکھانے کی عادت نہیں رکھتے تھے آپؐ کی تعلیمات نشانات اور اعجازات کی شہادت سے مستغنی تھی۔ عہد نبوت کے آغاز میں ہی آپ نے واضح کر دیا تھا۔ کہ میں معجزے دکھانے نہیں آیا۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تم معجزے طلب کرتے ہو۔ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ کو معجزے دکھانے کی طاقت عنایت فرمائی تھی۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ فرعون نے اُنکے معجزوں کی پرواہ نہ کی۔ اُن کو جادوگری کا الزام دیا۔ اور اس نے ان کو اور اُنکی قوم کو ملک بدر کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن فرعون اپنے تمام لشکر کے ساتھ غرق ہوا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ سے معجزے طلب کر کے فرعون کی سی سزا کا مستوجب بننا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ہستی کا ثبوت نظام قدرت میں کوئی حقیقی تبدیلی کر کے نہیں دیا ہے۔ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ انسانی دل اور اسکی عادات میں تبدیلی پیدا ہو نہ کہ نظام قدرت میں۔ تبدیلی انسان کے اندر ہونی چاہئے نہ کہ باہر +

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مشن یہ تھا کہ نوع انسانی کے سامنے وہ مذہب پیش کیا جائے جو کہ واقفیت اور تجربہ پر مبنی ہو نہ کہ تخیل پر۔ مذہب کی ابتدا تجربہ یعنی ذاتی معرفت سے ہوتی ہے گو اس کا خاتمہ مذہبی مباحث پر ہو لیکن اس حد تک پہنچ کر وہ مذہب نہیں رہتا۔ یہ ضروریات انسانی کا جواب ہے یہ انفرادی معرفت ہے جو لوگ اپنی زندگی کے تجربہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اور جو ذاتی انا کو ایک بہت بڑی طاقت کی طرف اُبھارتی ہے مصنف کیفیات معرفت مذہبی لکھتا ہے:۔

"کم از کم ایک لحاظ سے انفرادی مذہب دینیات سے زیادہ بنیادی اور اساسی ثابت ہوتا ہے، طریقت جب ایکدفعہ قائم ہو جاتی ہے تو روایاتِ مستعار پر زندہ رہتی ہے لیکن ہر ایک طریقہ کے بانیوں کی قوت کا راز اصلی اس تخاطب و تکلم میں ہوتا ہے۔ جو وہ ذاتی طور پر براہ راست ذات باری سے رکھتے ہیں +

بس ذاتی مذہب اب بھی اساسی اور اصلی معلوم ہوتا ہے"۔

اگر مذہب کچھ حقیقت رکھتا ہے تو ضروری کہ وہ ذاتی معرفت پر مبنی ہو۔ ہم دوسروں کے تجربے پر

انحصار نہیں رکھ سکتے ہم ان کے تذکرہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن ہماری زندگی کا مدار ان پر نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر آرچرڈ موجودہ مذہبی تنزل و انحطاط کا علاج حسب ذیل تجویز کرتا ہے (مستقبل مذہب صفحہ ۷۳)

" زمانۂ مستقبل میں صرف وہی مسیحیت زندہ رہ سکتی ہے جو ان اجزا کے اختلاط سے جو ایک دوسرے سے الگ ہو کر آج تک منتشر رہے ہیں۔ اور ان عناصر کی باہم آمیختگی سے جو آج تک باہم نہیں ملے ہیں بنائی جائے"۔

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مذکور کو یا اس زمانے کے کسی اور داعی مذہب کو نہیں سوجھا ہے کہ مذہب کی موجودہ ابتر حالت کا یہی علاج ہے کہ اللہ تعالےٰ کی سیدھے طور سے پرستش کی جائے اور اسکی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ ڈاکٹر آرچرڈ کہتا ہے کہ "دین مسیحی کی ہر ایک نوع رو بہ تنزل ہے اور اسکی نوعیت ہی اس کے تنزل کی وجہ ہے ہر ایک کی خوبیوں کی تردید اسکی یکطرفہ اور غلط شہادت سے ہو جاتی ہے"۔ کیا اسلام کی حیرت انگیز کامیابی کی بڑی وجہ اس واقعہ میں مضمر نہیں ہے کہ یہ ان شرائع اور اعتقادات سے جو رسول اللہ صلعم نے تعلیم کئے تھے کبھی گمراہ نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلعم کے ابتدائی ایام تبلیغ میں جبکہ اس مذہب کو اسکے کم مایہ آغاز کی وجہ سے بنظر حقارت دیکھا جاتا تھا۔ اور اس کے بانی اور اسکے پیروؤں کو ہر طرف سے ستایا جاتا تھا کس کو یہ دعویٰ کرنے کی جرات ہو سکتی تھی کہ وہ مذہب جس کا القا آپ کے نورانی دل پر ہوا اور جو آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا اس قدر بڑھے اور پھیلیگا کہ آج اندازہ کیا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں اسلام کے نام لیواؤں کی تعداد جو اس کرہ کے ہر ایک خطہ میں مل سکتے ہیں ۲۵ کروڑ سے کم نہیں دنیا اس امر کی متلاشی نہیں ہے کہ اعتقاد کو از سر نو مرتب کیا جائے۔ بلکہ دنیا اس جستجو میں ہے کہ ایک حقیقی مذہبی احیا ہو۔ وہ احیا کسی ایسے عقیدہ کے قبول یا ترمیم سے نہیں ہوگی جو پہلے مسترد ہو چکا ہے۔ بلکہ ایک نئی تحریک کو تسلیم کرنا ہوگا جو کہ فی الحقیقت پرانی ہی تحریک ہوگی جو روح میں ایک تڑپ پیدا کر رہی ہوگی۔ لوگ چرب زبانی کے ساتھ "نیا مذہب" "نیا خیال" "بلند خیال" وغیرہ جملوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا الہام کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا۔ جس امر حق کا اعلان یہاں کیا جاتا ہے۔ اور جو دنیا کی ہر ایک مسجد میں سکھایا جاتا ہے۔ یہ وہی حقیقت ہے جو رسول اللہ صلعم

نے دنیا کو سکھائی اور جو آپ کے تمام پیشروؤں نے سکھائی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا مذہب ہے۔ عہد حاضر کے مذہبی انتشار کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ ایک ایسی چیز کے متلاشی ہیں جس کے بارہ میں مسیحیت خاموش ہے۔ لیکن جو مسیح کی تعلیمات کا لب لباب تھی۔ یعنی ایک ایسا مذہب جو عقل علم اور تجربہ کے مطابق ہو۔ اور جس میں رضاء الٰہی قوت متحرکہ ہو۔ اس قسم کی تعلیمات کی ضرورت نہیں کہ ایک خدائی ہستی لباس مجاز میں اوتار بن کے آجاتی ہے۔ اس قسم کی تعلیم اللہ تعالیٰ کی توحید کے سخت منافی ہے بلکہ ضرورت یہ ہے کہ مذہب روزانہ زندگی میں مشکل نظر آئے۔ آج بھی بت پرستی ایسی ہی پھیلی ہوئی ہے جیسی کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ لکڑی اور پتھر کے بت نہیں پوجے جاتے +

رسول اللہ صلعم کی اپنے مشن میں کامیابی کا ایک راز یہ تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے قرب کو بعینہٖ جان لیا۔ اور معلوم کر لیا کہ انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تخاطب اور تکلم ممکن ہے۔ جوں جوں آپؐ پر تشدد زیادہ ہوتا گیا اور کثرت پکڑتا گیا۔ ویسے ہی اللہ تعالیٰ سے آپ کا قرب بڑھتا گیا اور زیادہ مضبوط ہوتا گیا۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے مصیبت جس قدر زیادہ ہو اللہ اسی قدر زیادہ نزدیک معلوم ہوتا ہے۔ اس جنگ میں بہت سی باتیں عیاں ہو گئی ہیں۔ اور ان میں سے نہایت ہی اہم یہ ہے۔ کہ ہم سابق میں روحانی قوت کو شمار میں نہیں لاتے تھے۔ رسول اللہ صلعم جنگ کے زمانہ میں بھی روحانی قوت کو بڑا درجہ دیتے تھے۔ اسلام اور مسیحیت کی ابتدائی تبلیغ میں ایک اور فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ جہاں ابن عیسیٰ کے پہلے پیرو دستی پیشہ ور اور اکثر نچلے طبقے کے لوگ تھے۔ وہاں رسول اللہ صلعم کے پہلے پیرو ماسوائے آپ کے غلام کے نہایت معزز اور ذی مقدرت لوگ تھے۔ رسول اللہ صلعم خود عرب کے نہایت ہی معزز قبیلہ سے تھے۔ گو اس زمانہ کے حالات کے مطابق اُمّی تھے۔ آپؐ کی پیدائش یا زندگی کوئی راز سربستہ نہیں ہے۔ نبوت عطا ہونے پر آپ نے اپنی پوزیشن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا کہ عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے۔

حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:-

ہم نے کھانا پکانے کے لئے ایک ماہ تک متواتر آگ نہیں جلائی۔ ہم صرف کھجوروں اور پانی پر گذران کرتے تھے۔ بشرطیکہ کوئی اور آدمی ہمیں گوشت نہ بھیج دیتا ہو۔ رسول اللہ صلعم

کے گھر کے آدمیوں کو کبھی بھی دو دن متواتر گندم کی روٹی میسر نہیں آئی" +

رسول اللہ صلعم اگرچہ خود اُمّی تھے لیکن آپ نے تحصیل علم کو منع نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی اس پر کوئی بندشیں عاید کیں۔ برخلاف اس کے آپ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ عالم کی سیاہی شہدا کے خون کے برابر قدر رکھتی ہے۔ مسلمان قیام اسلام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد دُنیا بھر کی قوموں میں نہایت ہی وسیع الخیال اور روشن دماغ ہو گئے۔ ادب ایشیا کے مقالہ میں سر ولیم جونز کہتا ہے کہ شارع اسلام نے مسلمانوں کو صریح حکم دیا ہے کہ وہ علم حاصل کریں خواہ اس مقصد کے لئے انہیں روئے زمین کے بعید ترین مقام تک جانا پڑے +

اسلام اصلاح تمدن کا مذہب ہے۔ یہ عام طور پر مانا جا چکا ہے کہ جو قومیں روحانیت کے لحاظ سے نہایت تاریکی میں ہیں وہ بلا تخصیص نہایت غلیظ رہتی ہیں۔ غلاظت توہم پرستی عموماً دوش بدوش رہتی ہیں۔ لیکن اسلام کی کامیابی کا سب سے بڑا راز اسباب میں مضمر ہے کہ رسول اللہ صلعم کی غرض واحد اللہ تعالیٰ کی تقدیس تھی۔ آپ نے شان کبریائی اور ذات لایزال کے ساتھ مماثلت کا کبھی دعوےٰ نہیں کیا۔ اور آپ کے پیروؤں نے بھی کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آپ انسان سے زیادہ اعلےٰ رتبہ رکھتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ مجھے ایک پیغام پہنچا ہے۔ اور ایک مشن پورا کرنا ہے اور آپ نے اس مشن کو ہمیشہ مد نظر رکھا۔ تمام زندگی میں حلم آپ کی ایک نمایاں خصوصیت تھی + واشنگٹن ارونگ کہتا ہے کہ آپ کی جنگی فتوحات سے آپ میں کوئی فخر یا تکبر پیدا نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس حالت میں ظاہر ہوتا اگر ان فتوحات کا مقصد خود غرضی ہوتی۔ نہایت ہی سطوت و جبروت کے زمانہ میں بھی آپ نے وضع اور اخلاق میں وہی سادگی قائم رکھی جیسی کہ مصائب کے زمانہ میں تھی۔ شاہانہ جلال کا اظہار تو درکنار۔ اگر کسی کمرے میں داخل ہونے پر غیر معمولی تعظیم کیجاتی تو آپ ناپسند فرماتے تھے۔ ہمہ گیر حکومت کرنے کا ارادہ اگر تھا تو صرف مذہب کی۔ ورنہ دُنیاوی حکومت جس کا پودا آپ کے ہی ہاتھوں بڑھا اور پھولا پھلا۔ آپ نے نہ تو اُسکو ذاتی شان و شوکت کا ذریعہ بنایا۔ اور نہ ہی اُسے اپنے خاندان میں رکھنے کے لئے کوئی کارروائی کی۔ نماز آپ کا دوامی شعار تھا اور آئندہ کے لئے اُمید صرف اللہ تعالےٰ کے رحم پر بھروسہ تھا۔ عاقبت کی خوشی اور امن کی تمام اُمیدیں آپ نے اللہ تعالےٰ کے رحم پر چھوڑ رکھی تھیں

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ میں نے آپ سے ایک موقعہ پر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ کے رحم کے سوائے اور کسی طریق سے کوئی انسان بھی بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ رسول صلعم نے صاف طور اور نہایت زور سے فرمایا۔ کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پھر پوچھا "لیکن یا رسول اللہ کیا آپ بھی اس کے رحم کے سوائے داخل نہیں ہو سکتے"۔ رسول اللہ صلعم نے تین دفعہ نہایت سنجیدگی سے فرمایا۔ "میں بھی بہشت میں داخل نہیں ہونگا۔ اگر اللہ تعالے اپنے رحم کی چادر سے مجھے ڈھانپ دے"۔

مسیحیت کو اس سادہ صورت سے جس کا سبق مسیح نے پڑھایا تھا۔ اس کے مفسروں نے یہانتک بگاڑا ہے کہ اب وہ علم الٰہیات کا ایک مقالہ رہ گئی ہے جس پر عمل کرنا ناممکن ہے برخلاف اس کے اسلام نے اپنی تمام تاریخ میں اپنے عملی پہلو کو قائم رکھا ہے۔ میں ڈاکٹر آرچرڈ کا ایک اور اقتباس پیش کرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے :-

"یہ ممکن ہے کہ جنگ سے پہلے کسی کو بھی دین عیسوی پر اتنا ایمان نہ ہو کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو سکے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم نے کچھ ترقی کی ہے جبکہ وہ لوگ بھی جو عیسائی ہونے کا اقرار کرتے ہیں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس پر عمل نہیں ہونا چاہیئے"۔

دنیا کو خدا کی پیاس ہے اس کو کسی خیالی فلسفہ کی ضرورت نہیں جس پر عمل نہ ہو سکے۔ اس کو کسی ایسے ایمان کی ضرورت نہیں جو ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور جس سے انسانی مساعی کی ناکامی عیاں ہو جبکہ نصرت غیبی خضر راہ نہ ہو۔ ہمکو ایک مذہب کی ضرورت ہے۔ جس پر زندگی کا مدار ہو نہ کہ محض عقیدہ ہی ہو۔ ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو صاف اور واضح ہو۔ اور عقل کے مطابق ہو جو حال کے ایک مصنف کے الفاظ میں یہ اعلان کرتا ہے کہ صلیب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا معاف نہیں کرتا جب تک کہ پہلے ایک انسان کا خون بہا دیا جائے"۔ رحم اللہ تعالیٰ کی عین فطرت ہے پس اس رحم کے استعمال کیلئے کسی رشوت کی ضرورت نہیں۔ وہ الرحمن یا اللہ یا مولے تو قادر مطلق ہے۔ تو ہی ہمارا حافظ ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے سب تیرے ہی فضل سے ہم کو ملا ہے۔ ہماری زبانیں اور جانیں تیری ہی تقدیس میں لگی ہیں

پس ہم تیرے ہی عشق کے گیت گاتے ہیں - اور اسی میں ہم خوش ہیں ہماری آواز ملائک کی آواز سے ملکر تیری ہی حمد وثنا کرتی ہے - ہر ایک مومن ابد الآباد تک نہایت خوشی سے تیرے عشق کے راگ گائیگا۔

توبہ

ازقلم جناب جے - بی فورڈ - بی اے - ایل - ایل - بی نومسلم

ایک انسان پر خواہ وہ روحانیت میں کیسا ہی میلان رکھتا ہو - ایک ایسا وقت آتا ہے کہ وہ اس راستے سے جس کی پیروی رب حکیم نے کمال محبت اور ربوبیت سے اس روحانی فطرت کی حقیقی تعمیر کے لئے تمام بنی نوع انسان مسلم اور غیر مسلم پر اگر وہ واقعی خدا کو دیکھنا چاہتے ہیں یکساں مقدر کی ہے بھٹک جاتا ہے - میرا ایمان ہے کہ ہر ایک انسان خواہ وہ کتنا ہی رذیل شریر اور ذلیل ہو ایک وقت کے بعد ضرور خدا کو دیکھیگا - ہر ایک فرد کی زندگی میں خواہ وہ موقع دنیا یا آخرت میں ہو - ایک ایسا نازک وقت آئیگا کہ اسمیں اپنی اعلیٰ مدعا یعنی دیدار الٰہی کیلئے جد و جہد کرنے کا کامل شعور پیدا ہو جائیگا اور باوجود بہت سے نقائص - مایوسیوں - تکالیف دکھوں اور ابتلاؤں کے جو اسکو غیروں اور اپنے نفس سرکش سے پہنچینگی وہ ترقی کے زینے پر قدم رکھیگا جس سے اسکو کوئی نہ اتار سکیگا - اگرچہ وہ متعدد دفعہ ایک یا دو قدم نزل نیچے اترنے پر مجبور کیا جائے۔

جب ایک دفعہ دل میں یہ امر گڑ جائے کہ اتفاقیہ خطائیں ہمیشہ کیلئے ملعون نہیں بنا دیتیں - تو مایوسانہ بیہودگی امید سے متبدل ہو جاتی ہے - اور صحیح مدعا کے لئے جد و جہد جو دقت اور تربیت نفس کے ساتھ ساتھ زیادہ روشن اور ممکن الحصول نظر آنے لگتا ہے روحانی مایوسی کی بے مقصود جزع فزع کی جگہ لے لیتی ہے - دراصل روحانی مایوسی روح کے لئے ایک نہایت خطرناک حالت ہے - اس سے اپنے اور دوسروں کے اخلاق سے مطلق بے پروائی پیدا ہو جاتی ہے - ان حالات میں فہمائش اور تنبیہ پر ہمیشہ یہی جواب ملتا ہے - کہ کیا حرج ہے - فی الحقیقت یہ [illegible] حالت ہے جو کہ محض فضول بیجا اور نامعقول ہے جیسے قدرت میں جب کہ ہم دیکھتے ہیں [illegible] ہیچ ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تیز آندھی درخت کی ایک شاخ کو توڑ دیتی [illegible]

ہیں درخت پھر بور سے جوبن پر گل و شگوفہ نکالتا ہے۔ قدرت اپنے انداز پر درخت کی کامل تباہی کو روکنے کا سامان مہیا کر کے آندھی کے تباہ کن اثر کو مٹا دیتی ہے۔ انسان کے روحانی نشو و نما کا بھی بعینہ یہی حال ہے۔ خدا تعالےٰ نے اپنے کمال رحم سے اخلاقی اور روحانی نقصان کے دفعیہ کا علاج مہیا کیا ہے اور وہ علاج توبہ ہے۔ جب ایک گنہگار اپنے جرم کا اعادہ کرے۔ ہر ایک بار کی توبہ سے نفس پر قابو ترقی پاتا ہے۔ اور گناہ اور بدی کا میلان نسبتاً کمزور ہوتا جاتا ہے۔ ہر ایک سچی توبہ کے ساتھ جو کہ فی الحقیقت روح کا طلب نصرت کیلئے بارگاہ الٰہی میں گڑگڑانا ہے۔ انسانی سیرت اس ایک ہی مستحکم بنیاد یعنی سچے جوش سے مرضیٔ مولا کی جستجو کرنے پر قائم ہوجاتی ہے +

سچی توبہ کا معیار آئندہ گناہوں سے مقابلہ کرنے میں ہے یعنے جسقدر توبہ سچی ہو گی اتنا ہی گناہ کے مقابلے کی طاقت زیادہ ہو گی۔ اسمیں اور محض انفعال میں فرق ہے جو کہ ضرورت کے پورا ہونے اور معاملات کے برقرار ہو جانے پر بھلا دیا جاتا ہے۔ سچی توبہ باوجود ناکامیوں کے کوشاں رہتی ہے تا وقتیکہ بدیوں پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے +

ہمارے مذہبی عقائد ہماری توبہ کی کیفیت اور ہمارے چال چلن پر اس کے اثر کی تعیین کرتے ہیں۔ اگر ہم اتنا ہی مانیں کہ کسی عقیدے پر محض ایمان رکھنا ہی کافی ہے۔ اور اعمال حسنہ ایک ادنےٰ گو مفید اضافہ ہیں تو توبہ اسقدر پرجوش اور پُر اثر نہیں ہو سکتی جیسی کہ ہونی چاہئے۔ مجرمانہ کرب کی حالت جو مایوس کن اور لا علاج ہو بکار نہیں بلکہ اس اعلےٰ امید کی ضرورت ہے کہ ہر ایک انسانی روح تکمیل کو حاصل کر سکتی ہے اور گناہ صرف اس خطرے کو تہ و بالا کرتا ہے جو زندگی کو کامل بناتا ہے۔ سچی توبہ اس یقینی علم کا اظہار ہے کہ خدا نے ہر انسان کے بس میں چند قوے رکھے ہیں جو کہ اسکی روحانی ترقی کیلئے ضروری ہیں۔ اور یہ کہ اس انسان کا ان قویٰ کا بیجا مصرف اور اس صحیح اندازے کو پس پشت ڈالنا ہی گناہ ہے +

ہماری استعدادیں یکساں نہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہماری ذمہ واریاں بھی یکساں نہیں مگر گناہ کا معیار ہر حال میں ایک ہی ہے۔ ہمارے لئے اہم سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے اپنے قویٰ کا صحیح استعمال کیا ہے اور بس۔ اگر ہم نے نہیں کیا۔ تو ہم نے گناہ کیا۔ توبہ کا معیار بھی یہی ہے۔ الٰہی ارادوں کو بجا لانے کیلئے سچی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کا فضل مانگنا چاہئے۔ بس پھر کیا ہے۔ الٰہی نور کمال آب و تاب سے روشن و ہویدا ہو جاتا ہے +

کوئی بھی آرٹسٹ ذوق کی بغیر تعلیم و تربیت کے ساز بجانے کی توقع نہیں کرتا۔ اسیطرح توبہ کی بھی

فوری کامیابی کی توقع نہیں کیجا سکتی قبل اس کے کہ یہ مؤثر ثابت ہو۔ انسانی رُوح کو توبہ میں تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ توبہ کا صحیح استعمال و مفہوم جس میں میرے نزدیک اصلاح بھی شامل ہے ایک کامل رُوحانی ہتھیار ہے جس کی قدر و قیمت اس کے استعمال سے بڑھتی ہے۔ یہ انسانی جسم و ارادے کو ایک پراگندہ اور بے جوڑ ہیئت سے ایک خوشی اور روز افزوں ترقی کی طرف جو خدا تعالےٰ نے اسکے لئے ارادہ کیا ہے لے آتی ہے +

اس سوال کا جواب کہ توبہ کے بارے میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر کہاں فوقیت ہے نہایت آسان ہے۔ اسلام اصلاح یا اندرونی تبدیلی کو بھی توبہ کی علامت ٹھیراتا ہے۔ میرے توبہ کے مفہوم میں اصلاح بھی شامل ہے۔ توبہ جس کے بعد چال چلن میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اگرچہ بعد از تبدیلی کے ابتلاؤں میں مبتلا ہو جائے محض انفعال ہے۔ توبہ کے صحیح مفہوم میں اصلاح بھی شامل ہے۔ اور اصلاح کے بغیر گو اس میں کمزوری آجائے توبہ توبہ نہیں کہلا سکتی۔ اسلام اسی بات پر زور دیتا ہے کہ عمل اور نیت وہ چیز ہے جس سے چال چلن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ زبانی قیل و قال جب تک مسلمہ عقائد کے ہمراہ عمل نہیں رکھتی رُوح کیلئے ہرگز مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔ اسلام تمام دُنیا کے مذاہب سے اعلےٰ پایہ رکھتا ہے۔ اور محض عقائد پر ایمان رکھنا نجات کا دار و مدار نہیں ٹھیراتا۔ بلکہ نہایت سادگی و صفائی سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہر ایک انسان مؤمن یا کافر اس دنیا یا آخرت میں اپنے ہی اعمال سے اپنی عاقبت کی تعیین کرتا ہے۔ جس سے کوئی چیز سادہ اور پُر معنی نہیں ہو سکتی +

اسلامک ریویو: عیسوی کلیسیا [illegible] ایمان [illegible] اعمال [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] انفعال کو توبہ [illegible] اسلام میں [illegible] [illegible] اور [illegible] توبہ بغیر از اصلاح یا بالفاظ دیگر [illegible] کوئی [illegible] [illegible] قرآن [illegible] کا ذکر [illegible] ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کے لئے [illegible] [illegible] قرآن کریم [illegible]

کہا گیا ہے جو کہ صاف بتاتا ہے کہ یہ سماوی انعامات جو ہمیں آخرت میں ملیں گے ہمارے ایمانیات ہی ہیں جنکی ہمارے اعمال نے دائمی بہترین آبیاری کر دی ہوگی۔ خود ایمان کا لفظ جو عربی میں عقیدے کا قائم مقام ہے نہایت ہی پُر معنی ہے۔ اس کے معنی عقیدے نہیں جو ایک دماغی اختراع ہے بلکہ اس کے معنے ایسے عقیدے کے ہیں جس کا اظہار اعمال سے کیا جائے۔ وہ زبان جو قرآن میں اس کی سچائیوں کے سکھلانے کے لئے استعمال کی گئی ہے اور بعض اوقات وہ خاص الفاظ جو ایک خاص خیال کے اظہار کے لئے منتخب کئے گئے ہیں بذات خود اسقدر فصیح ہیں کہ کسی شرح کے محتاج نہیں۔ وہ تمام الفاظ جو قرآن میں گناہ کیلئے استعمال کئے گئے ہیں ان کے لفظی معنی خاص حدود سے علیحدہ ہونا یا تجاوز کرنا ہے یا بالفاظ دیگر خلاف ورزی کرنا ہے خاص تجویز کردہ حدود میں رہنا اسلام میں نیکی ہے۔ اور ان سے تجاوز کرنا گناہ اگر قرآنی اصطلاح میں گناہ کی یہ تعریف ہے تو کیا یہ اس امر کیلئے کافی نہیں کہ اسلامی نقطۂ خیال سے توبہ سے مراد غلطی پر مصر ہوتے ہوئے اظہار پشیمانی نہیں بلکہ اس سے مراد اپنے نقش قدم پر اس مقام پر آنا ہے جہاں سے ہم بچھڑ گئے تھے۔ بہر حال اس امر پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ عربی لفظ توبہ جو قرآن میں Repentance کے لئے استعمال کیا گیا ہے کے بھی لفظی معنی رجوع کرنا ہے پس جہاں ذنب۔ اثم۔ جرم (عربی الفاظ جو گناہ کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں) لفظی طور پر تجاوز کرنے یا منزل مقصود سے ہٹ جانے کے مفہوم کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ وہاں توبہ یعنی ریپنٹنس کا مفہوم اس مقام کی طرف پھر رجوع کرنا ہے +

خدا کی صفت تواب یعنی بخشنہار کے بھی لفظی معنی بڑا رجوع کرنیوالا ہیں جس سے اسلامی نقطۂ خیال سے خدا کی صفت بخشش کی وسعت ظاہر ہوتی ہے۔ جو کہ ہر ایک کے اعمال پر منحصر ہے۔ اگر تم خدا کی حدود سے تجاوز کرو گے۔ تو وہ بھی اپنا منہ تم سے پھیر لیگا۔ اور تم خدا کی لعنت کے نیچے آجاؤ گے لیکن اگر تم اسکی طرف رجوع کرو گے تو وہ بھی رجوع کریگا۔ کیونکہ وہ بڑا رجوع کرنیوالا ہے۔ رسول اکرم صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر تم خدا کی طرف ایک فرلانگ آؤ گے۔ تو وہ تمہاری طرف ایک میل آئیگا۔ اس کا فضل اور اس کا غضب تمہارے طرز عمل پر منحصر ہے۔ کیا صحیفۂ قدرت بھی اسی سچائی کی تصدیق نہیں کرتا ہے۔ اگر تم اپنی کھڑکی کو بند کر لو۔ تو تم دھوپ اور روشنائی سے محروم ہو جاؤ گے۔ تو تمہارا اپنا فعل خدا کے ایک فعل کا باعث ہوا۔ اور اس مثال میں وہ فعل تاریکی ہے۔ مگر یہ فعل تمہارے کھڑکی

کے بند کرنے کے عین برابر ہے۔ لیکن کھڑکی کو کھول دو تو تاریکی کے مقابل پر دس گنا دھوپ اور روشنی آجاتی ہے۔ اور یہ نعم البدل بھی تمہارے ہی فعل کا نتیجہ ہے۔ قرآن خدا کی کتاب بھی یہی کہتی ہے کہ تمہاری ایک بدی کے عوض اتنی ہی سزا دیجائیگی۔ لیکن تمہاری ایک نیکی پر دس گنا یا اس سے بھی زیادہ جزا دیا جائیگا۔ بدقسمتی سے مغرب میں مذہب نے نجات کا ایک نہایت ہی ادھورا اور غلط نقشہ پیش کیا ہے ہمارے نزدیک نجات سے مراد ہمارے قویٰ کی تکمیل ہے جس کے لئے ہمیں ایک خاص نصاب پر عمل کرنا ہے۔ اسی لئے اپنی ترقی کے لئے ہر ایک قدم جو صراط مستقیم سے ادھر یا ادھر پڑ گیا ہے واپس لینا ہوگا۔ کوئی ندامت اور پشیمانی ایک مسافر کو اس مقام پر کہ جہاں منزل مقصود کا سیدھا راستہ واقع ہے۔ اور جہاں سے وہ بھٹک گیا ہے واپس نہیں لا سکتی بلکہ لازمی ہے کہ وہ وہ واپس ہو کر اپنا سفر پھر شروع کرے۔

"کرس" جسے عربی میں لعنت کہتے ہیں اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے لفظی معنی خدا کے فضل اور رحم اور ان مقامات سے جہاں اس کے رحم کی بارش ہوتی ہے دور رہنا ہے۔ کیا ہمارے سیارے پر بعض مقامات مثلاً صحرا ایسے واقع نہیں ہوئے۔ جو کہ اپنی سیرابی کے لئے بادل اور مینہ کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکے۔ اور اگر بارش خدا کی ایک نعمت ہے تو کیا یہ مقامات اپنے گرد و نواح کے باعث لعنت کے نیچے نہیں +

حضرت محمد صلعم کی شخصیت

(از جناب یحییٰ النصر پارکنسن)

ایک ہفتہ وار اخبار نے تھوڑے دن ہوئے گیارہ مشہور اشخاص سے پوچھا کہ ان کے نزدیک دنیا میں سب سے بڑی طاقت کیا ہے ان میں سے چار نے بتلایا کہ شخصیت۔ ایک نے کہا کہ نیک نیتی۔ ایک دوسرے صاحب نے لکھا کہ خلق اللہ کو فائدہ پہنچانے کا خیال۔ اور ایک مشہور فسانہ نویس نے انسانی جہالت کو سب سے بڑی طاقت قرار دیا۔ اور ساتھ ہی لکھا کہ انسان کی عقل بہت جلد سب سے زبردست طاقت ہو جائیگی۔ باقی چار نے شخصیت کو ایک زبردست ترین طاقت قرار دیا

چنانچہ آخر الذکر اشخاص میں سے ایک لکھتا ہے کہ دُنیا کے ناممکن البیان عجوبات میں سے ایک چیز شخصیت ہے اور پھر لکھتا ہے کہ زبردست شخصیت دُنیا میں حیرت انگیز کام کر سکتی ہے اور کرتی ہے -

یہ تمام باتیں جن کا اُوپر ذکر کیا گیا - ان معاملات میں جو ہم دیکھتے ہیں اپنا اپنا مقام رکھتی ہیں - جذبات اور واقعات کے ہمنے نام مقرر کر رکھے ہیں تاکہ ان میں تمیز رہے - اور یہ سب ملکر انسان کی حیات کا تانا بانا ہیں - لیکن تھوڑا سا فکر و غور کرنے پر کھل جائیگا کہ محبت نیک نیتی - جہالت اور بہت سی اسی قسم کی صورتیں اور صفتیں اس مجموعہ کے شخصیت کہنے میں فقط ایک جُزو ہیں +

شخصیت ہی انسان کے چالچلن کا لُبِ لُباب ہے - شخصیت ہی عملی خُلق و چلن ہے - اسی کا اظہار ہوتا ہے - اور اسی سے دوسروں پر اثر پڑتا ہے - اور اسکی خصوصیات کے اظہار کے مطابق کشش یا نفرت ہوتی ہے - یہ خصوصیات و صفات خواہ کیسے ہی ہوں ان کا اثر دوسروں پر خصوصاً جو کمزور ہوں پڑتا ہے +

ہر ایک گروہ میں کوئی نہ کوئی رہنما ہوتا ہے خواہ وہ ایک امر میں سرگروہ ہو - اور خواہ زیادہ میں معمولی دُنیاوی کاروبار میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک زبردست شخصیت یا خصوصیت رکھنے والا اشخاص کاموں میں یا کھیل کُود اور تفریح کے اشغال میں یا علوم کی کسی خاص شاخ میں رہبر ہوتا ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ مجلسوں اور انجمنوں میں ایک نہ ایک شخص ضرور ایسا ہوتا ہے جس کی طرف سب کی نگاہ اُٹھتی ہے - جس کی تمام عزت کرتے ہیں - اور جو ان کے کام خواہ وہ کیسے ہوں چلاتا ہے - وہ شخص اسلئے دوسروں پر فوقیت رکھتا ہے کہ وہ زیادہ قابل ہے - اس کا علم وسیع ہوتا ہے اور اسکی لیاقت بہت بڑھی ہوئی ہے - اسکی رائے صائب ہوتی اور وہ جلد معاملات کا تصفیہ کرنے کو تحمل پیدا ہوتا ہے جس کی شفقتیں اور صحیح نتائج مرتب ہوتے ہیں اور اسمیں اعلیٰ درجہ کا اخلاق ہمدردی انصاف یا شجاعت و سرگرمی ہے - دُنیا میں بہت تھوڑے انسان ہیں جنمیں یہ تمام باتیں پائی جائیں - اکثر میں یہ صفات بالعموم پائی ہی نہیں جاتیں - لیکن ایک کافی حصہ ایسا بھی ہے جو ان صفات کی وجہ سے اپنے ہمجنسوں پر سبقت لیجاتا ہے +

وہ چھوٹا سا گروہ جن کی رویہ اور چلن سے ان صفات کا پانا ہیں سی بہت سی صفتوں کا ثبوت ملتا ہے وہ قوم کے پیشوا یا ولی یا پیغمبر ہوتے ہیں ۔ عام لوگ تو قلیل تعداد پر اثر رکھتے ہیں لیکن یہ گروہ بیشمار لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں ۔ انکی خیالات کو تبدیل کر دیتے ہیں اور اُن میں ایک نئی رُوح پھونک کر ان کے عادات اور رسومات بالکل اُلٹ دیتے ہیں ۔ اُن کی تعلیمات اور نمونے انسانی قوموں کے اعتقادات اور اعمال کی پشت در پشت بنیاد بن جاتے ہیں ۔ یہ لوگ صرف اپنے ہی زمانہ کیلئے نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ کے لئے مُصنفوں اور مورخوں نے نوع شخصیت کے بارے میں شاذونادر ہی ذکر کیا ہے جس کی وجہ غالباً یہ خیال کی گئی ہے کہ یہ ایک عارضی بات ہے اور حالات زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ایک مجموعہ خیالات ہے ۔ جو کہ غیر مستقل ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ واقعات زندگی ہمارے دماغ کے سامنے پیش ہو کر قوت حافظہ کے سپرد ہوتے ہیں ۔ اور تمام سلسلہ یادداشتوں کا بحیثیت مجموعی شخصیت کہلاتا ہے انسان کی شخصیت اسکی زندگی کی تاریخ اور اسکے تجربات کا مجموعہ ہے ۔ یہ بھی لکھا کہ شخصیت ہر وقت نئے حالات کے مطابق چلنے کی طاقت کا فقط نام ہے ۔

بادی النظر میں انسان کی شخصیت کا مسئلہ ایک مہمل سا نظر آتا ہے ۔ اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے متعلق بحث کرنا بہت مشکل ہے ۔ لیکن بعد میں یہ مشکل بالکل سطحی دکھائی دیتی ہے شخصیت ۔ مجموعہ خیالات سے بالاتر چیز ہے ۔ پھر ان خیالات کا اظہار ہی انسان اپنے الفاظ اور اعمال سے اپنے چال چلن اور اخلاق کو بھی ظاہر کرتا ہے ۔

شخصیت کی تشریح ۔ ان صفات کی گویا داستان و اظہار ہی جن کے اجتماع سے وہ طاقت پیدا ہوتی ہے ۔ جو لوگوں کو کھینچتی ہے ۔ اور اُن کے دل میں محبت اور مادہ تقلید پیدا کرتی ہے ۔ اور اس شخص کو جسمیں وہ طاقت ہوتی ہے ۔ دیگر اشخاص سے بالا کر دیتی ہے ۔

سنہ ۶۲ عیسوی کے اخیر میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں ایک نہایت خوبصورت

نوجوان چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہی - یعنے وہ جوان جس میں اُس قسم کے صفات ممیز طور پر نظر آتے ہیں جو اعلےٰ ترین اور شریف ترین شخصیت کا خاصہ ہیں - اور جس کی نظر فوراً دوڑتی ہے - اور انسان کہہ اٹھتا ہی کہ وہ عبداللہ کا لڑکا جا رہا ہے +

اِس نوجوان کے لئے مقدر تھا کہ وہ ایک قوم کو از سرتاپا چند سالوں میں ہلا دیوے - اور مذہبی خیالات کی رو کو تبدیل کر دے - ان کے تمدن میں نئی زندگی ڈال دی - ان کے عادات اور ان رسومات کا مقابلہ جو صدیوں سے متبرک خیال کی جاتی تھیں صفایا کر دے - اور قوم کو غفلت سے جگا کر ان میں جستجو پیدا کر دی - اور اسے ایسی راہ پر کھڑا کر دے جس پر چلکر وہ حکومت اور تہذیب تک پہنچ جاویں نیز اس قوم میں ایسی رُوح پیدا کر دے جو اسے دُنیا کی دیگر اقوام پر فوقیت دے - اور اسے جہالت کی تاریکی سے نکالکر روشنی میں لائے - اور توہمات - بدکاری اور بُت پرستی کو چھڑوا کر تعلیم سائنس صنعت و حرفت - نیک اخلاق اور خدائے واحد کی پرستش کی طرف لیجائے - اور اس طرح گندی اور ذلت کی زندگی سے نکالکر انہیں پاکیزگی اور ترقی کی راہ بتلائے - سچ تو یہ ہے کہ اس جوان کی تاریخ افسانہ سے بھی عجیب تر ہی - گویا ایک صحیح واقعہ داستان سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے +

حضرت محمد جیسا انسان ہی دیگر لوگوں میں ایسا اخلاق پیدا کر سکتا ہی آپ نے وہ اخلاق صرف ان لوگوں ہی میں پیدا نہیں کئے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے - بلکہ ان میں بھی جو آپ کے متعلق پڑھتے یا سُنتے تھے یا آپ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کا مطالعہ کرتے تھے +

مجھے یاد پڑتا ہے کہ لین پول صاحب نے ایک جگہ تحریر کیا ہی کہ پیغمبر اسلام کی سوانح پڑھنے والا کوئی ہی ایسا شخص ہوگا جو آپ سے محبت نہ رکھے - اور جو انسان دیانت ہمت اور جوش کی قدر کرنیوالے ہیں - وہ آپ کی قدر کرنے سے رُک نہیں سکتے آپ کی شخصیت بڑی زبردست اور سب پر غالب آنیوالی تھی - کیونکہ وہ ان تمام صفات کی تفسیر ہے جو نسل انسانی کو ہر ایک اعلیٰ ترین اخلاق کے لئے از حد ضروری ہیں - اور جس سے انسان کی اشرف اور برتری اوج کا ثبوت ملتا ہے لیکن ایک ہی انسان میں ہم اُس قسم

کی علی شخصیت کو پاتے ہیں جو خیال میں آسکتی ہے یعنے وہ انسان جو اس قابل ہو اور جس کے لئے مقدر تھا کہ وہ انسانوں کی رہبری کرے۔ اپنے بھائیوں کے اخلاق اور خیالات کی اصلاح کرے۔ اُسکو بلندی کی طرف لیجائے۔ اور باوجود ان کی نرالی عادات کے انہیں ترقی کی راہ کھلائے اور اس طرح ان کی زندگی بہتر اور پاکیزہ بنائے۔ آپؐ نے نہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں پر ہی اثر ڈالا بلکہ آپؐ کے بعد کے آنیوالی پشتوں پر بھی اور ان میں ایسے خیالات پیدا کر دے۔ جو ہمیشہ عروج کی طرف لیجاتے ہیں +

زمانہ ماضی کی تصویر پر اگر ہم نظر ڈالیں تو ہمیں اس کے دُور کے حصہ پر ایسی شکلیں دکھائی دیتی ہیں جو ہم سے صدیوں پہلے کی ہیں وہ بری بڑی ہیں مگر دھندلی انہیں اصلی صورت میں ظاہر کرنے کیلئے ہم اکثر نادانستہ اُن کی طرف ایسی صفات منسوب کرتے ہیں جو ان میں نہیں لیکن جس شخص کے متعلق کوئی فیصلہ دیا جاتا ہے۔ اس کے ہمعصروں کی راے اور کارروائیوں سے جو شہادت بہم پہنچتی ہے اُسے کسی قسم کا تخیل تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی طرح کی نکتہ چینی اسکی تردید کر سکتی ہے جو باتیں ہمعصروں کے ذریعہ پہنچتی ہیں وہ آیندہ کے لئے رہنمائی کرتی ہیں بشرطیکہ اپنی صفائی اور متانت کے ساتھ مؤرخانہ نکتہ چینی کیجائے +

کسی مذہبی معلم کے خیالات کی نسبت اسقدر واقفیت بہم نہیں پہنچ سکتی جس قدر کہ پیغمبر اسلام کے متعلق۔ کیونکہ آپؐ کے ہمراہی آپؐ کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ مثلاً آپؐ کے روزمرہ کے کام۔ آپؐ کی گفتگو اور ان سوالات کے جواب جو مذہبی عبادت یا امور سلطنت کے بارے میں مختلف رنگ میں آپؐ کے سامنے پیش کئے جاتے تھے ہمیں آپؐ کی عادات۔ آپؐ کی رفتار لباس عبادت او دیگر آپؐ کے ایسے امور کے متعلق بھی علم ہے جو کہ نہایت خفیف نظر آتے ہیں۔ اور یہ سب آپؐ کے اصحابؓ نے اسلئے کیا کہ انہیں آپؐ سے محبت تھی۔ لیکن ہم تک کسی دوسرے مذہبی معلم کے اہم یا خفیف حالات زندگی اس قدر تفصیل کے ساتھ نہیں پہنچے عہدہ رسالت پر مامور ہونے سے پیشتر ہی آپؐ کی قابلیت۔ آپؐ کا انصاف

اور وفاداری آپؐ کی راستبازی اور آپؐ کی سچی دیانت کا ہر ایک اعتراف کرتا تھا آپؐ نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے آواز بلند کیا اور اسلام کو پھیلانے کے لئے ہمت کی اور بڑے استقلال سے ہر تکالیف کا مقابلہ کیا اور اپنے کثیر التعداد دشمنوں کی پرواہ نہ کی۔ ان تمام مشکلات کے درمیان آپؐ نے اپنی زبردست شخصیت کو قائم رکھا اپنے متبعین پر حکومت کی۔ دشمنوں کو نیچا دکھلایا۔ حتیٰ کہ آپؐ کے پر اثر فصاحت و بلاغت اور بے مثال جوش اور کسی سے مغلوب نہ ہونے والی روح کے مقابلہ میں بت پرستی بالکل معدوم ہوگئی۔ آپؐ کی ہدایات اور آپ کے طرز عمل اور کارنامے ہر زمانہ میں پہنچتے ہیں۔ اور اُن کا اثر لکھوکھا انسانوں پر ہوتا ہے۔ اور جن کی وجہ سے ان کے خیالات نئے سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ اور دنیا میں اُن کے لئے رہبری کا کام دیتے ہیں۔ اس پرجوش اونٹ چلانے والے کا اثر جو عرب میں سب سے زیادہ بزرگ ہے اس وقت بھی ایسا ہی زبردست ہے جیسا کہ اس وقت جب کہ آپؐ مدینہ میں تھے +

ذرّاتِ عالم کا مذہب

تخلیق و تعمل رُوح

جسد عنصری میں رُوح کا ظہور اور زندگی کا پیدا ہونا تا حال ایک راز سربستہ ہے علوم طبعیات کیمیا بھی اس سے بہت پرے ہیں کہ اس نادر و ناگہانی عمل کی معقول توجیہہ کر سکیں۔ اور چونکہ رُوح اور مادہ میں بظاہر ایک قسم کا تضاد نظر آتا ہے جو لوگ رُوح اور مادہ کے ازلی ہونے کے قائل ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ دونوں مختلف ہستیاں ہیں علاوہ ازیں رُوح پوری نشو و نما پانے کے بعد جسم یعنی نظام نامی پر جو جسم انسانی کی صورت میں متشکل ہوتا ہے استدلال کیا جاتا ہے کہ ضروری ہے کہ رُوح جسم سے مختلف ہو۔ لیکن وہ اصل نمو جسے جان کہتے ہیں ہر ایک نظام میں ہی عمل کرتا ہے۔ اگر رُوح جسم پر قابو رکھتی ہے تو جان بھی بیجان مادہ کو اپنی کامل اطاعت میں لے آتی ہے۔ جان جب ظہور میں آتی ہے تو جسم ہی

ہر ایک چیز کی تنظیم و تنسیق عامہ کی ذمہ وار ہو جاتی ہے لیکن جان خود بذات روح کے ماتحت ہو جاتی ہے۔ پس اگر ذو عنصرین کا خیال ہے۔ کہ روح باہر سے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ تو دوسرے لوگ جان کے متعلق بھی ایسا ہی خیال ظاہر کرتے ہیں۔ اور بعض حلقوں میں اس قسم کی آرا کے رواج پذیر ہو جانے کی وجہ مادہ کی حالت مستمرہ ہیں وہ فوری تغیر ہے جو اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جبکہ مادہ بظاہر بیجان حالت سے متحرک ہو جاتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ اصل نمو اسی مادہ سے پیدا ہوتا ہے جسمیں وہ پایا جاتا ہے۔ اور جس پر وہ حکمرانی کرنے لگتا ہے۔ پس مذکورہ بالا خیال کو بلا تامل قبول کر لینا مشکل معلوم ہوتا ہے بجلی کا ظہور مسئلہ مبحثہ فیہ کے متعلق ایک عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔
جب کبھی دو خاص دھاتوں اور ایک خاص سیال کا باہم اتصال ہو۔ تو یہ بالکل ساتھ ہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکی پیدائش ایسی ہی دفعتہ ہوتی ہے جیسے کہ وہ اقتدار جو یہ بعد میں ان اشیاء پر حاصل کر لیتی ہے جنمیں سے یہ خود پیدا ہوئی تھی۔ یہ قدرتی منظر قطعاً ثابت کر دیتا ہے کہ ایسی اشیاء بھی ہیں جو گو ان عناصر سے جن سے وہ مرکب ہوتی ہیں شکل و شباہت اور خصائص میں مختلف ہوتی ہیں۔ تاہم ان اشیاء سے جن سے وہ پیدا ہوتی ہیں مماثلت تامہ رکھتی ہیں +

علاوہ ازیں تمام منازل ارتقاء میں ایک اور امر ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے کہ ہر ایک مادی نظام اپنے سے نچلے درجے کے نظام سے نہ صرف اپنی مایحتاج حاصل کرتا ہے بلکہ اس پر حکمرانی بھی کرتا ہے جو نظام دو مدارج ارتقا کے درمیان واقع ہے وہ اپنے سے نچلے درجے کے نظام سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے اور اسکی تنظیم کرتا ہے۔ اور خود اس نظام کا جو سلسلہ ارتقاء میں اس سے اوپر واقع ہو شائق اور تابع جاتا ہے۔ مثلاً ہر ایک جاندار کی زندگی کا انحصار دوسروں پر ہوتا ہے اور ان سے استفادہ کرتا ہے جبکہ وہ غیر جاندار حالت میں ہوں۔ اور ساتھ ہی ان کو منضبط بھی کرتا ہے لیکن جب وہ غیر جاندار مادہ حیوانی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تو مختلف تحریکات اور اضطرارات سے متصف ہو جاتا ہے پس یہ تحریکات عملاً اصل نمو پر کامل حکومت کر لیتی ہیں۔ اور یہ اصل یعنی جان اس حکومت کے ماتحت اپنی ہستی کو برقرار رکھنے اور اپنی نشوونما کو ترقی دینے کے لئے تمام

نچلے حیوانی نظامات کو تباہ کرنے لگتی ہے۔ اِن تحریکات کا دائرۂ عمل ان کی ابتدائی حالت میں محدود ہوتا ہے۔ لیکن جسمِ انسانی میں وہ تحریکات جذبات اور رجحانات کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اور عمل ارتقائی کا ایک اور مرحلہ طے کرنے کے بعد وہ کامل طور پر وہ ہستی بن جاتے ہیں۔ جس کو ہم روح کہتے ہیں۔ روح اس طریق سے پیدا ہو کر جذبات و تحریکات پر اپنا تسلط جماتی ہے۔ اور وہ جذبات و تحریکات خود کائنات کے دیگر نظامات پر اپنا اقتدار بٹھاتی ہیں۔ معدودے چند ترقی یافتہ نظامات کا معائنہ کر کے جو خصائص و شمائل ان اشیاء کی نوعیت میں ہیں۔ جن کو وہ استعمال میں لاتے ہیں۔ دونوں ہی انسانی اور حیوانی اجسام میں تخلیق کا کام کرتی ہیں۔ اول الذکر لاعلمی کے ساتھ اور آخر الذکر واقفیت کے ساتھ کیونکہ جس مادہ پر جان کام کرتی ہے۔ وہ بحس ہوتا ہے۔ اور روح کا تختۂ مشق شخصی معرفت ہے۔ الغرض جان اور روح اس قوت صناعی کے دو مختلف نام ہیں جس پر انسانیت کی تعمیر کا انحصار ہے۔ اور جو مفید و مُضر میں بخیط امتیاز کرتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کوئلہ اور ہیرا ایک ہی مادہ سے بنے ہیں اور دونوں ہی نظاماتِ غیر نامی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی پیدائش ترکیب و آمیزش عنصری سے پیدا ہوتی ہے امتزاج و تجاذب باہمی سے نہیں۔ لیکن عناصرِ ترکیبی کے اختلافِ تناسب سے یہ دو مختلف چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ ایک چوزہ سؤر اور ایک آدمی ایک ہی مادہ سے بنے ہیں۔ لیکن یہاں بھی افتراق ہیئت کی وجہ اجزائے ترکیبی کا جو مادہ کے ان تینوں مرکبات کی تعمیر میں استعمال ہوئے ہیں۔ اختلافِ تناسب ہے۔ یہ تمام اجزائے ترکیبی کائنات میں درہم برہم حالت میں موجود ہیں۔ لیکن وہ قوتِ صناعی جو اپنی ہستی سے ناواقف ہے۔ اور مادہ کی ہر صورت میں موجود ہوتی ہے۔ مفید تناسب کے قبول اور مضرت رساں تناسب کے رد کرنے میں احتیاط سے تمیز کرتی ہے۔ ایسے ہی تمام انسان یکساں تحریکات رکھتے ہیں۔ چور اور انبیا جسمانی لحاظ سے یکساں ہوتے ہیں۔ اور یکساں جذبات رکھتے ہیں۔ اور اپنے قلب میں ان کا وجود یکساں پاتے ہیں۔ لیکن وہ قوتِ تخلیق جو انسان میں موجود ہوتی ہے۔ اور جسے روح کے نام سے موسوم کرتے ہیں موخر الذکر جماعت میں بہت طاقتور ہو جاتی ہے۔ اور ان کو انسان کامل بنا دیتی ہے۔ دوسرے لوگوں کے ویسا ہی نہ بن جانے کی وجہ یہ ہے کہ قوت مذکور کے فعل میں رکاوٹ واقع ہوئی ہے۔

مادے کی ادنےٰ صورتوں میں بھی ہم یہی مشاہدہ کرتے ہیں بعض اوقات دوسرے اثرات جان کے فعل کا اثر زائل کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ مرض ہوتا ہے +

پس رُوح - جان اور قوتِ صناعی ایک ہی عامل کے مختلف نام ہیں جو مختلف حالتوں میں اور بالیدگیٔ مادے کے مختلف مراحل میں کام کرتا ہے - مسلمان فلاسفروائمہ نے اسبارہ میں نہایت صراحت سے کام لیا ہے - وہ تسلیم کرتے تھے کہ مادہ کی ہر صُورت میں رُوح ہوتی ہے - مثلاً اسی ایک قوت صناعی کو جو عوالم مختلفہ جمادات نباتات اور حیوانات میں کام کرتی ہے انہوں نے رُوحِ جمادات - رُوح نباتات - رُوح حیوانات اور رُوح انسان کے نام دئیے ہیں +

اسمیں شک نہیں کہ رُوح کے متعلق ہمیں بہت تھوڑا علم ہے لیکن رُوح کے متعلق ہمیں جو کچھ علم ہے کیا جان یا مذکورہ بالا قوت صناعی کے متعلق جو اپنے عمل سے بے خبر ہے ہم اس سے کچھ زیادہ جانتے ہیں - کائنات میں لاتعداد ایسی اشیا ہیں جن کا ظہور و تعمل ہمارے لئے ایسا ہی رازِ بستہ ہے - مثلاً برقی قوت - رُوح بھی ایک ایسا ہی امر لاینحل ہے - جیسا کہ جان زیادہ سے زیادہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ان کا عمل کیا ہے - اور وہ نیک و بد میں تمیز کرتا ہے - جو کام جسم کے بنانے میں بےخبری میں کرتی ہے وہی کام رُوح رُوحانیت کے بنانے میں دانستہ کرتی ہے - اس فرق کی وجہ یہ ہے - جس مادے پر جان کام کرتی ہے - وہ معرفت سے عاری ہے برخلاف اس کے جس مادہ سے رُوح انسانی رُوحانیت کی تعمیر کرتی ہے - وہ انسانی معرفت طبعی ہے یعنی وہ مختلف جذبات و تحریکات کا مجموعہ ہے - جن کو رُوح رفعت دے کر اخلاقیات فلسفہ اور مذہب میں تبدیل کر دیتی ہے - جب رُوح پیدا ہوتی ہے - تو اپنی صناعی حیثیت سے جسم میں داخل ہوتی ہے - انسان حیوانوں کی سی زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا تھا - اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند سے بلند مقامات کی طرف ترقی کرنے کے لئے پیدا کیا ہے - یہ مقصد امن تمیز کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے - جو رُوح نیکی و بدی میں غلطی کے احتمال کے بغیر کرتی ہے - پس گو رُوح میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں - اور اس نئی کیفیت کا مشاہدہ کر کے جو مادہ کی زندگی میں پیدا ہو جاتا ہے یا اور ایسی ہی سطحی نشانات سے یہ فیصلہ کر لینا کہ کوئی خارجی چیز نظامات مذکورہ میں داخل ہو گئی ہے

اوران نظامات کی نئی صورت ان کی پرانی حالت سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ ایک نہایت ہی عاجلانہ اور جلد بازانہ فیصلہ ہے۔ یہ ہمارے علم کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اور اُمید ہے کہ حکماء کی آنیوالی نسلیں وہ پردہ اُٹھا دینگی جو بظاہر قدرت کے اس فعل کو چھپائے ہوئے ہے۔ ارتقاء کے دور میں ہر ایک ایسی اہم منزل پر جبکہ نشو و نما ایک نئی سمت اختیار کرتی ہے مادہ بالکل نئے خصائص و شمائل سے متصف ہو جاتا ہے۔ اصل نمو، اضطرارات، جذبات اور تمیز جن کو عرف عام میں جان، معرفت اور رُوح کہتے ہیں۔ مذکورہ بالائی سمت کے مختلف امتیازی نشانات ہیں۔ گو ان کا وجود دفعتہً ظہور میں آیا ہو۔ اور ان کی پیدائش طبعیات و کیمیا کی اصطلاحات میں بیان نہ کیجا سکتی ہو لیکن پیدا وہ اس مادہ سے ہوتے ہیں۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ جان یا رُوح جسم کے اندر سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ باہر سے داخل ہوتی ہے۔ تو ان تحریکات کی توجیہ کس طرح کیجائیگی جو پہلی دفعہ نظام نامی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ وہ بھی خصائص کے لحاظ سے جان اور مادہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ دونوں پر حکومت کرتے ہیں۔ اور اعمال ترکیب زندگی میں امداد دیتے ہیں۔ کیا ان کے متعلق بھی یہی کہا جائے کہ وہ باہر سے داخل ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی ویسی ہی خصوصیات رکھتے ہیں۔ جن کی وجہ سے جان اور رُوح کو خارجی چیزیں مانا گیا ہے۔ آج تک کسی نے یہ خیال ظاہر نہیں کیا۔ سب نے ہمیشہ سے تسلیم کر رکھا ہے۔ کہ تحریکات و جذبات جسم سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ حیوانی اضطرارات و انسانی جذبات میں فرق صرف مدارج کا ہی خصائص وہ ایک سے رکھتے ہیں۔ جسم انسانی میں فطری تحریکات شخصی معرفت سے متصف ہو جاتی ہیں۔ کیا شخصی معرفت ہی حقیقتہً وہ شے نہیں جس سے تمیز انسانی جو رُوح کی صفتِ خصوصی ہے پیدا ہوتی ہے۔ پس اگر تمیز کی اصل شخصی معرفت کو قرار دینا درست ہے جو انسانی جذبات کا مجموعہ ہے۔ اور اگر ہمارے جذبات حیوانی تحریکات کی صورت اولےٰ ہیں مختلف نظاماتِ نامی وغیر نامی سے جو جان کے تسلط سے مخصوص ہو جاتے ہیں پیدا ہوتے ہیں۔ تو کیا پھر جسم رُوح کی ماں نہیں ہے +

رُوح ایک صانعِ خبیر ہے

انسانی نشوونما کے لئے جو کام رُوح کرتی ہے وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ جب جسمانی خواہشات انسانی رُوح کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ تو یہ ہمارے جسم میں صرف صنعت گری کی ایک قوت خبیر ہے۔ جو جذبات سفلی سے اعلےٰ اخلاق و روحانیت پیدا کرتی ہے۔ ان جذبات سفلی کو بلند کر کے اخلاق کے درجے تک پہنچایا جاتا ہے۔ اور جب اخلاق کی تہذیب و تربیت اعلےٰ درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو اس سے رُوحانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اخلاق سے یہ مُراد نہیں کہ جذبات و تحریکات کو فنا کر دیا جائے۔ اخلاق کا منشا یہ ہے۔ کہ ان کو قابو میں رکھ کر ان میں اعتدال قائم کیا جائے۔ اور ان کو مناسب مواقع پر استعمال میں لایا جائے۔ یہ کام رُوح کرتی ہے پس رُوح ایک ذریعہ صناع ہے جو حیوان کو انسان کامل بناتی ہے۔ اس کا فرض اعلیٰ یہ ہے۔ کہ ہمارے جذبات کے مفید و مُضر خصائص میں ایسی تمیز کرے جسمیں غلطی کا احتمال نہ رہے۔ اور ہماری آئندہ ترقی کے لئے اول الذکر صُورت کو قبول اور موخر الذکر کو رد کر دے۔ کیا رُوح وہی کام نہیں کرتی جو جان نظام نامی میں کرتی ہے۔ جس طرح جان ہماری ہستی کے جسمانی حصہ کی تعمیر میں مادہ کا نظم و نسق کرتی ہے۔ اسی طرح رُوح ہماری فطرت کے اخلاق و رُوحانی حصہ کی نشوونما میں ایک دوسری قسم کے مادہ کا انتظام کرتی ہے۔ ان کا کام ایک ہی ہے فرق صرف ماہیت ہے ہمارے لئے راز سربستہ ہے تاہم جو عمل وہ کرتی ہے اسکے لحاظ سے ہم اللہ تعالےٰ کے حکم کا مظہر قرار دے سکتے ہیں جس کے ماتحت انسان جو مختلف قوٰے سے مُتصف ہے۔ ان کو قوٰے کی تکمیل کرتا ہے۔ قرآن کریم میں جو لفظ ربّ آیا ہے۔ یہ جیسا کہ بیشتر بیان کیا جا چکا ہے اللہ تعالےٰ کے اسماء میں سے ایک ہے۔ اور اس کے معنی پیدا کرنیوالا۔ قائم رکھنے والا اور ترقی دینے والا ہیں۔ پس انسان کو اپنے رب کے حکم کے ماتحت جس نے اس میں مختلف قوٰے پیدا کئے ہیں اپنے آپ کو ترقی دینا ہے۔ اور یہ حکم رُوح کے توسّل سے عمل میں آتا ہے یہ راز قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت ہم پر منکشف کرتی ہے:۔

یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ تم سے لوگ رُوح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں۔ ان سے کہدو کہ رُوح بھی میرے پروردگار کا ایک حکم ہے۔ اور تم لوگونکو اسرار الٰہی میں سے بس تھوڑا ہی سا

علم دیا گیا ہے (سُورۃ بنی اسرائیل آیہ ۸۵)

پس جان اور رُوح جسم انسانی میں قوتے تعمیری ہیں۔ اول الذکر ہماری مادی اور آخرالذکر رُوحانی تعمیر کرتا ہے۔ لیکن یہ دونوں باہر سے ہمارے جسم میں داخل نہیں ہوتیں۔ وہ مادے کی ارتقاء کی خاص مراحل پر پیدا ہو جاتی ہیں +

امر واقعہ یہ ہے کہ کائنات کا ہر ایک ذرہ اپنے اندرو خصائص رکھتا ہے جو رُوح انسانی کی تعمیر کے لئے ضروری ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جس کے چہرے پر سے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات بالکل پردہ اُٹھا دیتی ہیں :۔

ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین ثم جعلنہ نطفۃ فی قرار مکین ہ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظما فکسونا العظم لحما ثم انشانٰہ خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ہ ثم انکم بعد ذالک لمیتون ہ ترجمہ۔ اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا پھر ہم ہی نے اسکو حفاظت کی جگہ یعنی عورت کے رحم میں نطفہ بنا کر رکھا پھر ہم ہی نے نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے لوتھڑے کی بندھی بوٹی بنائی۔ پھر ہم نے بندھی بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت مڑھا پھر آخر کار ہم ہی نے اسکو گویا بالکل دوسری ہی مخلوق کی صورت بنا کھڑا کیا۔ پس مبارک ہے ذات اللہ تعالیٰ کی جو سب سے بہتر خالق ہے۔ پھر اسکے بعد تم کو مرنا ہے سورۃ المومنون آیت ۱۲ تا ۱۵)

مندرجہ بالا آیات سے بوضاحت پتہ لگتا ہے۔ کہ جسد انسانی اول زمین کی مٹی کے ست سے بنایا گیا۔ اور جیسا کہ قرآن کریم ایک اور مقام پر فرماتا ہے کہ زمین ایک گیس کے جلنے سے پیدا ہوئی اسیطرح ایک اور مقام پر قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ یہ کُرّہ ارض اوّل اول حالت سیال میں تھا۔ اس مسئلہ پر مزید بحث کرنا ہمیں اصلی بحث سے بہت دور لیجائیگا جس کی ضرورت نہیں۔ پس ہم اسیقدر کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی رُو سے کُرّہ ارض مادہ کی ایک ارتقاعی حالت ہے جو جلتی ہوئی گیس سے پیدا ہوئی ہے۔ اور انسان کی

پیدائش مابعد کے ارتقائی عمل کا نتیجہ ہیں مختلف منازل ارتقا کے ذکر میں مندرجہ بالا آیات میں دو حروف عطف ثم اور ف استعمال ہوئے ہیں۔ اوّل الذکر عربی میں اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی خاص فعل کے دو مدارج یا مراحل کے درمیان کوئی وقفہ یا مدت واقع ہو۔ اور آخر الذکر اس جگہ جہاں ایک مرحلہ دوسرے مرحلے کے بعد بغیر وقفہ کے آئے۔ اسی وجہ سے آیات مندرجہ بالا میں سلالۃ من طین اور نطفۃ کے درمیان جو ایک دوسرے سے بہت فاصلہ پر پڑے ہیں ثم آیا ہے لیکن نطفہ کے قرار پکڑنے سے گوشت بننے تک ایک مرحلہ کو دوسرے مرحلہ سے ملانے کے لئے فا کا حرف استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد پھر ثم حرف عطف آیا ہے جبکہ نطفہ گوشت اور ہڈیوں کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور اس منزل سے دور ہے جبکہ اس میں روح آجاتی ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ ثم انشانٰہ خلقاً آخر میں اس نئی صورت ہستی کی طرف اشارہ ہے جو انسان اختیار کرتا ہے لیکن یقیناً یہ نئی صورت باہر سے ہم میں داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ ہماری ذات میں مضمر ہے +

یہی ایک خیال کہ روح اور جسم ایک نہیں بلکہ دو متفرق ہستیاں ہیں مختلف مذاہب و طریقہائے فلاسفہ میں لاانتہا اختلاف آراء کا باعث ہوا ہے جس سے انسانی بہبودی میں بہت نقص واقع ہوا ہے۔ اسی قسم کا ایک اور خیال تناسخ یعنی آواگون کا مسئلہ ہے۔ ان مسائل نے لوگوں کو مدتوں پریشان رکھا ہے۔ کہ یوگ۔ کفارہ۔ رہبانیت اور دیگر لایعنی و غلط ریاضتوں سے اطمینان قلب کی جستجو کریں۔ ان کا خیال تھا کہ روح اور جسم کسی قسم کی مشارکت نہیں رکھتے بلکہ جسم نے روح کو گرفتار کر رکھا ہے۔ اور حقیقی نجات یہ ہے کہ روح کو اس غلامی سے آزاد کیا جائے۔ ہر قسم کے انسانی جذبات کو پامال کرنا بڑا ہی مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم روئے زمین پر گروہ انسانی کے مختلف طبقات میں طرح طرح کی رہبانیت پاتے ہیں۔ یہ بھی اس تعلیم کا جو بدھ کے ساتھ منسوب کیجاتی ہے ایک بھاری نقص ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا منشا یہ ہے۔ کہ تمام دنیاوی تعلقات کو منقطع کر دینا ہی سفلی جذبات و خواہشات کو پامال کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ لہذا سر چشمۂ راحت جاودانی تک پہنچنے کا یہی ایک پردانۂ راہداری ہے۔ یعنی روحانی پاکیزگی کا حصول تمام دنیاوی تعلقات کو قطع کرنے سے ہی ممکن سمجھا گیا۔ جو صریحاً

خلاف فطرت عقیدہ ہے۔ پس یہ عقیدہ کہ روح اور جسم دو مختلف ہستیاں ہیں مختلف قسم کی برائیوں کا بانی ہوا۔ اور رومی کلیسیا نے خانقاہوں کا سلسلہ بھی روحانی بہبودی کے لئے جاری کیا جس کے ساتھ تجرد ایک لازمی شرط قرار پائی ایسی طریقتیں کبھی بھی اعلےٰ اخلاق کی تربیت گاہ ثابت نہیں ہوئی ہیں بلکہ برخلاف اس کے ان سے اخلاقی امراض پیدا ہوئی ہیں اور یہ سلسلے تہذیب و تمدن کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ کا باعث ہوتے رہے ہیں +

بعض لحوم ممنوعہ

میں پھر اب اصلی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں - مادہ اپنی ہر ایک ارتقائی منزل میں اپنی آیندہ ترقی کے لئے اپنی خوراک ارتقاء مادی کی اس صورت سے حاصل کرتا ہے جو سلسلۂ ارتقاء میں اس سے نیچے درجہ پر واقع ہو - جہاں عالم نباتات حیوانات کو ان کی خوراک کا اکثر حصہ بہم پہنچاتا ہے - وہاں حیوانات بھی کسی نہ کسی صورت میں انسانی دسترخوان پر آکر نہایت اعلےٰ غذا بہم پہنچاتے ہیں - اس طرح ہر ایک عالم آنیوالے عالم کی پیدائش کے لئے بطور رب یا مادے کے حکم کرتا ہے - بالخصوص اس مادہ میں جو ایک ارتقائی حالت کو اس سے نچلی حالت سے نمایاں تمیز و تفریق کرتا ہے - بالفاظ دیگر جو چیز دو ارتقائی حالتوں میں جو ایکدوسرے سے اوپر نیچے ہوں تفریق کرتی ہے - مزید ترقی کو عمل میں لانے کیلئے بطور بنیاد کام کرتی ہے - آنیوالی عالم میں جو عنصر نیا ہے وہ اس چیز سے پیدا ہوگا جو اس آنے والے عالم سے ملحقہ نچلے عالم میں اور موخر الذکر سے نچلے عالم میں وجہ امتیاز ہے نباتات کی نہایت ہی ترقی یافتہ صورتوں میں حرکت کی قوت پائی جاتی ہے - جو ترقی پاکر عالم حیوانات میں اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے - لیکن معرفت طبعی حیوانی زندگی کا امتیازی خصوصیت ہے معرفت طبعی متعدد تحریکات و اضطرارات سے بنتی ہے - جو انسان اور حیوانات سفلی میں مشترک ہوتی ہیں - یہ تحریکات نظم حیوانی سے پیدا ہوتی ہیں - اور عالم نباتات اور عالم حیوانات میں وجہ امتیاز ہیں - اور جسم انسانی میں مزید ترقی کے لئے بطور تعمیری مسالہ کے کام کرتے ہیں - یہ جذبات بعض حیوانات میں کامل طور پر ظہور پذیر ہوتے ہیں لیکن حیوان کو انسان بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ان جذبات کی تہذیب و تربیت کیجائے -

اور ان کو حد اعتدال میں رکھا جائے تو گو یہ حلیم الطبع ہیں لیکن یہ انکی اخلاقی خوبی نہیں ہے بلکہ ایک فطری تحریک ہے جس کو اصلی اخلاق کا جامہ پہنانے کیلئے اعتدال پر لانے کی ضرورت ہے۔ درندے تندی اور بہادری کا اظہار کرتے ہیں۔ اور نباتات خور حیوانات عموماً حلیمی و بزدلی ظاہر کرتے ہیں۔ اگر اونٹ اپنی بلندی پر غصہ کا اظہار کرتا ہے تو گائے بھی یہی جذبہ پورے طور پر رکھتی ہے۔ اور اگر جذبہ کو اعتدال کے ساتھ عمل میں لایا جائے تو یہی حلیمی اور انکساری بن جاتی ہے۔ سؤر شہوت نفسانی کا مجسمہ اور ارذل ترین فطرت کا مظہر کامل ہے۔ یہ حیوانات ایک مادہ کے مختلف مرکب ہیں لیکن شکل اور جذبات کا فرق اس اندازے اور تناسب کے فرق سے پیدا ہوتا ہے جس سے ان کے اصلی عناصر منتخب ہوچکے ہیں۔ پس حیوانی زندگی میں عناصر کی ہر ایک مختلف ترکیب مختلف جذبات پیدا کرتی ہے اور جہاں کہیں بھی وہ ترکیب موجود ہوگی وہی جذبات اس سے پیدا ہونگے۔ لہذا ان جانوروں کا گوشت جن میں جذبات اپنی بدترین صورت میں ظہور پاتے ہیں۔ انسانی خوراک کا جزو نہیں بننا چاہئے۔ ان حیوانات کے اخلاق جن کا ہم گوشت کھاتے ہیں ہمارے اخلاق پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مذاہب نے بعض جانوروں کا گوشت لحوم ممنوعہ کے زمرے میں داخل کردیا ہے +

الغرض ان مختلف تحریکات و جذبات کو جو حیوانی اجسام میں ترقی پاتے ہیں اعلیٰ اخلاق حسنات تک رفعت دینے کی ضرورت ہے نہ صرف امن عامہ پیدا کرنے کیلئے بلکہ اصلی انسانیت پیدا کرنے کے لئے جو اپنے کمال پر پہنچ کر مزید ترقی یعنی حیات بعد الموت کیلئے بطور بنیاد کے کام کرتی ہے لیکن رفعت دینے کا فعل ہمارے علم متعلق اندازۂ اعتدال پر منحصر ہے۔ جو مختلف صورتوں میں سالمات کی انکی ہر ایک منزل ارتقاء میں جو وہ قبل الخلیقۃ ذرات سے انسانی جسم تک پہنچنے میں طے کرتے ہیں رہنمائی کرتا ہے۔ اگر قوت صناعی اس اندازہ کو مفید و مضر میں تمیز کرنے میں نادانستہ اپنے سامنے رکھتی تھی اس سے حرج واقع نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ انسانی جسم تک پہنچنے تک نشو ونما غیر مدرک تھی۔ لیکن انسانیت اپنے ساتھ ایک نیا مقام آغاز لاتی ہے۔ یعنی معرفت طبعی و ترقی کرکے کچھ پیدا

کرنا ہے۔ اور نہ ضروری ہے کہ قوت صناعی دانستہ اور تدبر کے ساتھ کام کرے۔ اور کسی نہ کسی قسم کی معرفت اسکی رہبری کرے یعنی ذات باری تعالےٰ الہام کے ذریعہ اسکی یاوری کرے۔ اگر بارش مادی صورت میں اوپر ہو اسلئے آتی ہے کہ مادی نظام کی تعمیر کیلئے جان پیدا کرے جو انسانی جسم میں پہنچ کر تکمیل پاتی ہے۔ مزید ترقی جو عقلی اور روحانی ہے۔ ایک روحانی بارش چاہتی ہے۔ پس قرآن کریم اپنے آپ کو اور دیگر کتب مقدسہ کو بارش سے تشبیہ دیتا ہے۔ اس مضمون پر آیندہ بحث ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ +

فلسفہ کا مذہب

(رقمزدہ جناب غلام مصطفےٰ خانصاحب بی۔ اے علیگ)

نوع انسان کی تہذیب وتربیت میں فلسفہ نے ہمیشہ ایک اہم حصہ لیا ہے۔ اس نے زندگی کے رازِ سربستہ پر ایک نظرِ غائر ڈالی ہے۔ اور اس نے زندگی کو کم وبیش بسر کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ ازمنۂ قدیم کے ہندو فلسفہ نے ہندو قوم کو زمانۂ گذشتہ میں عزت و جلال کے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ اور جب ہندو فلسفہ کی مشہور چھ طریقوں کا بازار سرد ہوا۔ تو اس قوم کا جلال بھی خاک میں ملگیا۔ یعینہٖ سلطنت رومہ کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد فلسفۂ جبریہ پر تھی۔ اس فلسفہ کا مرکزی اصول زندگی کے رنج وراحت سے کُلّی بے اعتنائی تھا۔ یہ مسئلہ ہندو فلسفہ کے مسئلہ مایا سے کسیقدر مشابہ تھا جس کی تعلیم یہ تھی کہ جو چیزیں ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں وہ از خود کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ بلکہ انکی ہستی محض ہمارے وہم اور ہمارے تخیل کا نتیجہ ہے۔ فرقۂ جبریہ کا عقیدہ تھا کہ زندگی کی رنج وراحت سوائے وہم کے اور کچھ نہیں جس کو ہمارا دماغ خود پیدا کرتا ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ امرِ واقعہ کے خلاف تھا۔ لہذا عملی زندگی کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں تھا۔ سینیکہ نے جو فلسفۂ جبریہ کا بہت بڑا شارح گذرا ہے افلاس کی تعریف اور تمول کی مذمت میں ایک مقالہ لکھا تھا۔ لیکن وہ خود اس قدر متمول تھا کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا متمول انسان

ہوا ہو۔ وہ غربا کی کم مایہ جھونپڑیوں کی تعریف کرتا تھا لیکن اس کے اپنے عظیم الشان محلات آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ وہ گمنامی کو سراہتا تھا لیکن خود دعویدار سلطنت روما کے تخت کا امیدوار بنا ہوا تھا یعنی اس کا تمام فلسفہ تصنع اور بناوٹ محض تھا۔ یا تو یہ فلسفہ اسکی زبان پر تھا۔ یا اسکی کتابوں میں۔ لیکن عمل میں کبھی نہ آیا۔ اسکی عملی زندگی پر اس فلسفہ کا کوئی اثر نہ تھا۔ اس لئے کسی دوسرے پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا حقائق زندگی محض تخیل کے زور سے مٹائے نہیں جا سکتے۔ چرب زبانی خواہ کتنی ہی ہو ایک بیوہ کو اس بات کا یقین نہیں دلا سکتی کہ اسکے پیارے خاوند کی افسوسناک موت سے جو اسکے راحت و خوشی کا سرچشمہ تھا۔ اسکو کچھ نقصان نہیں پہنچا ہے قصہ مختصر عہد ظلمت کا یہ پرانا فلسفہ صرف طبیعت کو خوش رکھنے کے لئے تھا۔ اور اس قابل نہ تھا کہ عملی زندگی میں اس کو کام میں لایا جائے +

بیکن کے فلسفۂ جدید نے پرانے فلسفہ کو بیخ و بن سے اکھیڑ ڈالا۔ اس سے ایک نئی روشنی اور تعقل کی ایک نئی قوت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کا منشاء ہے کہ ہمیں صرف مشاہدہ پر یعنی ان چیزوں پر جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اعتبار کرنا چاہئے۔ یعنی اس لحاظ سے ہمیں اور فلسفۂ قدیم میں جس کی بنیاد تخیل و تعریض پر تھی تضاد کلی ہے لیکن یہ نئی قوت بھی اخلاق انسانی کے بنانے میں ناکارہ محض ثابت ہوئی ہے۔ مثلاً اتفاق سے آدمی کی دونو ٹانگیں ضائع ہو گئی ہیں۔ فلسفۂ جدید اس مصیبت خیز حادثہ کے نتائج کا تجزیہ کریگا۔ وہ بیچارہ آزادانہ چل پھر نہیں سکیگا۔ اس کا وجود سوسائٹی پر ایک بے فائدہ بوجھ ہو گا۔ اسکے عزیز و اقارب اسکو نظر حقارت سے دیکھینگے وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ اسکی زندگی مصائب و تکالیف کا مجموعہ ہو گی۔ کیا اس قسم کے خیالات اسکی زندگی کو اور بھی تلخ نہیں کر دینگے۔ اور اگر ہماری عام نظر کے پرے کچھ نہیں۔ اگر ہم صرف اسی لئے پیدا ہوئے ہیں۔ کہ گذرا وقات کریں کھائیں پئیں بکواس کریں۔ اور مر جائیں تو یقیناً یہ زندگی اس قابل نہیں کہ اسے بسر کیا جائے۔ میرے خیال میں یہی وجہ ہے۔ کہ یورپی ممالک میں اسقدر خودکشیاں ہوتی ہیں المختصر بیکن کا فلسفہ بالکل مادی ہے اور انسانی دلوں کے روحانی حصہ کیلئے باعث اطمینان نہیں جس قسم سے جہاں تک انسانی اخلاق کا تعلق ہے بیکن نے تو نہایت کروہ تقسیم کیا ہے

فلسفۂ اسلام اعتدال کا زرین راستہ پیش کرتا ہے۔ یہ فلسفہ زندگی کی حقیقی تکالیف سے آنکھیں بند نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ سکھاتا ہے کہ انسانی زندگی کا مُدعا و منشا یہی دنیا ہے یہ نہ تو بیکن کے فلسفہ کی طرح تخیل اور تحریکات سے بالکل مُعرا ہے۔ اور نہ ہی سینیقہ فلسفہ کی طرح سرتاسر خیالی اور نظری ہی ہے۔ فلسفۂ اسلام زندگی کو وہی کچھ سمجھتا ہے جو کہ وہ اصل ہے یعنی مواقع و اتفاقات اور رنج و راحت سے پُر۔ لیکن یہ عاقبت سے انکار نہیں کرتا۔ یہ فلسفہ زندگی کو ایک امتحان یعنی ایک بھٹی سمجھتا ہے جس میں انسانی دھات کو پرکھا جاتا ہے۔ ہماری موجودہ زندگی آنے والی زندگی کی ایک منزل ہے۔ اور ہمارے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم اس زندگی میں دیانت و امانت کے ساتھ کام کریں۔ تاکہ دوسری زندگی میں اچھی فصل کاٹ سکیں پس یہ دنیا ہمارا منشاء آخری نہیں ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ یہ دنیا اس آخری مقصد کے حصول کے لئے ذرائع پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ہے فلسفۂ اسلام اور اس نے نوع انسان کے اخلاق پر حیرت انگیز اثر کیا ہے۔ اسی عملی فلسفہ کا نتیجہ تھا۔ اور اس کے سامنے شاندار اور پُر امید مستقبل ہے۔ کہ عرب قوم قعرِ ذلت و افلاس سے اٹھ کر تہذیب و تمدن کے آسمان پر جا پہنچی +

القرآن

(از قلم جناب مارمڈیوک پکتھال صاحب نو مسلم)

ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ

چند روز ہوئے مجھے ویسٹ انڈیز سے ایک شخص کا خط ملا جس میں میرے اس لیکچر کی طرف اشارہ ہے جو میں نے کچھ عرصہ ہوا مذہبی صداقت کے متعلق دیا تھا۔ اس خط میں نہایت سختی سے کام لیا گیا ہے۔ نویسندہ گویا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ مجھے مکار اور جھوٹا راہنما کہہ کر بدنام کرے۔ چونکہ وہ اتفاق سے مجھے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے تشبیہ دیتا ہے۔ میں اس پر خوش اور رضامند ہوں لیکن اسے یہ دھوکہ لگا ہوا ہے۔ کہ قرآن مجید انجیل کی نقل ہے اور اڑا دی گئی ہے۔ وہ اس کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ ایک دھوکہ ہے جو دنیا پر ظاہر ہو چکا ہے۔ اور اس پر کوئی سمجھدار شخص اعتقاد

نہیں رکھ سکتا۔ لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک دنیا میں بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو نولیندہ خط ندکور کی طرح قرآن شریف کو نعوذ باللہ ایک ایسی دھوکہ دہ کتاب خیال کرتے ہیں۔ جس کی خوبیاں بقول ان کے دوسری کتابوں سے اڑائی ہوئی ہیں۔ اور جو ہمارے پیارے رسول صلعم کی اس قسم کی عزت کرنے کے بجائے جو دنیا کے بڑے بڑے محسنوں کی ہونی چاہئیے باوجود اس کے کہ سمجھدار لوگ انھیں محسن قرار دیتے ہیں۔ آپ کی نسبت خیال رکھتے ہیں۔ کہ آپ نے لوگوں کو دیدہ و دانستہ دھوکہ دیا تاکہ اپنے لئے عظمت اور بزرگی حاصل کریں یہی رائے عیسائی کلیسا کی صدیوں سے چلی آتی ہے اور میرے خیال میں سرکاری کاغذات میں بھی اسی قسم کا اظہار رہتا ہے لیکن جدید سائنس کی نکتہ چینی نے اس قسم کے خیال کا خوب قلع قمع کیا ہے +

قرآن شریف کو پرانے کتب مقدسہ کی نقل خیال کرنے کی نسبت میرا جواب یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ دنیا کی کسی کتاب کو تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فرقان مجید میں کہیں کہیں توریت و انجیل کی باتیں درج ہیں اور یہودیوں کی تاریخ اور حضرت مسیح کے سوانح کی طرف اشارہ ہے لیکن نکتہ چینی کے قاعدہ کی رو سے جس کا کوئی علم ہے تلمیحات و اشارات چوری کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ان قصوں اور واقعات کا چرچا جن کا اشارہ قرآن میں ہے۔ اس وقت مکہ میں عام طور پر لوگوں میں تھا۔ اسلئے قرآن میں ان کا ذکر ایک خاص اور بالکل نئے اور اہم مضمون کی تشریح کیلئے کیا گیا ہے۔ پس کسی جگہ اور کسی زبان میں اسکی مثال نہیں۔ اللہ تعالے کی عظمت اس کے فضل و کرم اور اس کے انتہا قدرت کو ایسی شائستگی۔ اور پھر اور اور موثر طریق پر ثابت کیا گیا ہے۔ اور ان قوانین کو جو انسان کی دنیا اور آخرت میں رنج و راحت اور اخلاقی اور روحانی زندگی کے متعلق ہیں ایسی صفائی سے بیان کیا گیا ہے کہ کسی ملک کی زبان میں بھی اسکی نظیر نہیں ملتی۔ اور آپکے ہر ایک لفظ سے صداقت ٹپکتی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ جس شخص پر یہ الزام ہے کہ اس نے سب کچھ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے لیا ہے۔ اس نے اپنی تمام عمر میں ان کتابوں کو نہیں پڑھا۔ دشمنان اسلام کہتے ہیں کہ رسول اکرم کو ایک عیسائی درویش بحیرہ کی جس آپ کی مرغوب تھا طرز تصنیف میں مدد دیتا تھا۔ لیکن مذکورہ بالا درویش نے حضرت محمد کو شام میں صرف ایک دفعہ دیکھا تھا۔ جبکہ وہ ابھی لڑکے تھے۔ اور اپنے چچا کے ساتھ وہاں گئے تھے۔

اور وہ درویش قرآن کے نازل ہونے سے کئی سال پیشتر مر چکا تھا۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس ورقہ بن نوفل تھا جو کہ تمام یہودی کتب مقدسہ میں ماہر تھا۔ ورقہ نے البتہ محمد صلعم کو اس بات کی مبارک دی کہ وہ اپنی قوم کیلئے رسول ہو کر آئے ہیں لیکن اس کے چند یوم بعد ہی وہ مر گیا جبکہ پیغمبر عرب کی اس وقت تک کسی قسم کی شہرت نہ ہوئی۔ اور قرآن کے بھی ابھی چند ہی الفاظ نازل ہوئے تھے لیکن ان الفاظ کا یقیناً کسی دنیاوی ماخذ سے تعلق نہ تھا۔ پہلی بات جو ایک بے تعصب محقق کے دل میں قرآن پڑھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے وہ کتاب اللہ کا تسلیم کردہ جلال و رعب ہے۔ جو اس کے ہر ایک لفظ سے ٹپکتا ہے اور جو ایسے کلام میں نظر نہیں آتا جو سچا نہ ہو۔ اور آخر شخص اس کے ختم کرنے کے بعد وہ حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ یہ خیال کر کے کہ کس روز سے اور کس بسط کے ساتھ انسان کی زندگی کی چھوٹی باتوں کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ اور قادر مطلق کے جلال و ہستی کی نسبت علم دیا گیا ہے جس کی چمک کتاب اللہ سے نکلتی ہے میرے خیال میں اس بات کو وہ شخص بھی محسوس کریگا۔ جو قرآن کے غلط تراجم کا ہی مطالعہ کرے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی ترجمہ جو میں نے دیکھا ہے قابل تعریف نہیں۔ کیونکہ جامع زبان کا کسی تشریح کرنیوالی زبان میں لفظی ترجمہ کرنا اور پھر اصل عبارت کا زور قائم رکھنا ایک ناممکن امر ہے۔ قرآن شریف کے مترجمین میں سے اکثر عربی زبان کے عالم و فاضل ہوتے ہیں جن کے دماغ میں بجائے اس کے کہ وہ تمام عبارت کے معنوں پر غور کرتے۔ چند ایک الفاظ کے خاص معنے کئے ہوئے تھے۔ جو موجب اشکال ہوتے ہیں۔ بعض الفاظ عربی کے ایسے ہیں جن کا انگریزی میں ترجمہ لمبی چوڑی تشریح ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور ایسی تلمیحات بھی ہیں۔ جن کی تشریح کی اہل مشرق کو ضرورت نہیں لیکن انگریزی زبان ان کے سمجھنے کے لئے طول و طویل شرح کا محتاج ہے اسی لئے کتب مقدسہ کے تراجم نثر میں ہوتے ہیں۔ اور ان میں لفاظی ہی کام لیکر انہیں بیہودہ کر دیا جاتا ہے۔ مگر قرآن کی عبارت بہت مختصر فصیح اور نظم کے رنگ میں ہے لیکن بعض ترجمے تو ایسے بھدے ہیں اور بہت سی تشریحات ایسی احمقانہ ہیں کہ میرے نویسندہ خط کی طبیعت کے لوگ جو صرف آنکھ سے ان کو دیکھتے ہیں لیکن پڑھتے ہیں قابل معافی ہیں۔ اگر وہ قرآن کی نسبت یہ خیال کریں کہ وہ دیگر کتب مذاہب کی ایک بھدی نقل ہے۔ اگر وہ برے سے برے ترجمہ کو بھی ذرہ

غور سے پڑھیں تو وہ یقیناً اپنی رائے تبدیل کر دینگے۔ اور انہیں گیٹی نامی مصنف کی طرح
قرآن میں الہام کی قوت نظر آئیگی۔ لیکن افسوس ہے کہ ہر ایک شخص گیٹی کی طرح ذہین نہیں۔ اور
اکثر تو ایسے ہیں کہ وہ سوچ بچار کرنے سے بھاگتے ہیں۔ میں آج قرآن شریف پر ان لوگوں
کے اعتراضات یا بالفاظ دیگر اتہامات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو اُسے تعصب کی نظر
سے پڑھتے ہیں۔ ایک کتاب میں نے دیکھی ہے۔ جو ایک پادری صاحب کی تصنیف کردہ
ہے۔ اور جس کا نام اگر میں غلطی نہیں کرتا **سورسز آف دی قرآن** (سرچشمہ قرآن) ہے
جسمیں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن میں کوئی بھی بات نئی نظر نہیں آتی فقط
اسمیں قصے کہانیاں اور اس وقت کی مذہبی کتابوں مثلاً سنٹ برنابس اور انوسنز کی
انجیلوں یا تالمود اور دیگر یہودیوں کی کتابوں کے خیالات جمع ہیں۔ اور ان کے ساتھ
ملک کے عربوں کی پرانی روایات بھی ہیں۔ مگر ان سب کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے آقا
حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نیک نیتی پر حملہ کیا جائے۔ اور ثابت کیا جائے
کہ آپ جعل کے مرتکب ہوئے ہیں۔ تاکہ اپنی ذاتی ہوس و عروج کی خاطر ایک نیا
مذہب ایجاد کریں۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ اول تو تمام قصے جن کی نسبت کہا جاتا ہے
کہ قرآن نے ادھر اُدھر سے جمع کئے ہیں ملک میں زبان زد خلائق تھے۔ اور وہ ایسا وقت تھا
جبکہ بہت ہی کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد
صلعم خود بھی پڑھ نہ سکتے تھے۔ اور آپ کے پاس ایسا کوئی شخص نہ تھا جو آپ کے لئے
اس قسم کا مسالہ بہم پہنچاتا جو بعض کے خیال میں قرآن میں موجود ہے۔ رسول اکرم صلعم کے قول
فعل کسی سے پوشیدہ نہ تھے۔ ان کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا تھا۔ آپکے اردگرد ہمیشہ
ایک انبوہ کثیر آپ کے حالات کو دیکھنے والا تھا۔ جو آپ کی کامل صداقت پر شہادت دیتا
ہے۔ اور قرآن کو کلام الٰہی تسلیم کرتا ہے۔ اگر سورتوں کے تیار کرنے اور ترتیب دینے میں
آپ مصروف رہتے تو یقیناً اس کا ذکر ان سابقین سے پہلے ایمان لانیوالوں کی شہادتوں
میں ہوتا جو آپ کو انسان کیلئے اُسوۂ حسنہ خیال کرتے تھے۔ اور آپ کے حالات اور
طرز عمل کی باریک ترین باتیں بھی یاد رکھنا مشکل اور غیر ضروری خیال نہ کرتے تھے لیکن کہیں

بھی اِس قسم کا تذکرہ نہیں۔ اور نہ عورتوں کی تیاری کہیں نظر آتی ہے۔ قرآن خواہ اُسے پڑھ کر کچھ ہی خیال پیدا کیا جائے بہرحال اصل اور نقل سے بالاتر ہے۔ اور رسول صلعم کی زبان پر بحالتِ غشی وحی جاری ہوا ہے۔ قرآن کی صداقت اور صفائی استدلال سے جو اس کے ہر ایک صفحہ پر نمایاں ہے لوگوں نے اس کے متعلق یہ غلط خیال پیدا کر لیا ہے کہ وہ تصنیف کردہ ہے۔ کیونکہ وہ اِن سب رویا بینوں کی تصانیف سے بالکل مختلف ہے جنہیں نے سر و پا اور عجیب خیالی باتیں پائی جاتی ہیں مثلاً ایوی لیشن یا عبرانی پیغمبروں کی کتب۔ قرآن شریف ایک معجزہ ہے خواہ ہم اُسے علم ادب یا علمِ الٰہیات یا مذہب کے نکتۂ خیال سے دیکھیں۔ اگر اسکے ظہور کا وقت اور مقام کا خیال کریں اور حضرت رسول کریمؐ کی زندگی اور آپؐ کی تعلیم کو مدنظر رکھیں تو میرے نزدیک ممکن نہیں کہ اس کی ہستی کے وہ ذرائع خیال کئے جائیں جو ہم فانی لوگ عام طور پر خیال کرتے ہیں وہ بے تکا پن جو دوسروں کے الہامات میں دیکھا جاتا ہے اور جس سے بعض لوگوں کو تسکین اور خوشی حاصل ہوتی ہے البتہ قرآن میں نہیں۔ دوسری کتابوں میں رویا یا آیندہ کا خیال دھندلے طرز پر اور بڑی پیچیدگی سے لکھا ہے لیکن اسمیں بڑی صفائی کے ساتھ۔ ان میں ان دھوئیں کے بادلوں کی خوبصورتی ہے جو اس آگ کی روشنی سے چمکتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتی لیکن قرآن خود روشن آگ ہے۔ وہ لوگ جو ان بے جوڑ باتوں کا نام تصوف رکھتے اور بعید العقل خیال کرتے ہیں۔ اِس امر کی شکایت کرتے ہیں کہ قرآن میں بالکل روزمرہ کی اور عملی باتیں ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہی سب سے زیادہ پُر از تصوف نکتہ ہے۔ روحانی امور میں حقیقت اور عملی رنگ کا ہونا ہی رویا کی صفائی کا ثبوت ہے۔ قرآن شریف میں روحانی نقشہ نہ تو بے جوڑ اور نہ دھندلا ہے۔ وہ شروع سے اخیر تک حقیقت اور اصلیت ہے یعنے خدا ہی کا ہاتھ ہر ایک چیز میں دکھلایا ہے کیونکہ ہماری ہستی معدوم ہے۔ اگر خدا کا خاص فضل نہ ہو۔ اس حقیقت کی روشنی میں جو صاف صاف نظر آ رہی ہے۔ لوگوں کے بُرے افعال اور گستاخانہ اعتقادات کی حماقت عیاں ہوتی ہے اور بت پرست اس سے جھلسنا اور مُرجھا جاتا ہے۔ شرابی اور بدمعاش پر خود کشی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جھوٹوں۔ دغابازوں اور شریروں پر گویا بجلی سی گر جاتی ہے۔ وہ لوگ جو خدا کے الٰہی بات کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ اور

قدرت کے قوانین یعنی خدا کے قانون کو جس نے کہ اس دنیا کو پیدا کیا ہے توڑتے ہیں۔ خواہ ان کے ارادے کیسے ہی ہوں وہ ڈھیٹھ اور بیہودہ ہیں +

دن اور رات۔ چاند سورج اور ستارے اور پودوں۔ درختوں حیوانوں۔ پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کی زندگی۔ موت و حیات۔ غرضیکہ تمام نظارہ ہائے قدرت جو باقاعدہ اور باضابطہ ہیں خدا کی وحدانیت کی جس نے اُسے پیدا کیا قرآن کے صفحوں میں شہادت دیتے ہیں۔ تمام روایات اور قصے جن کا اس میں ذکر ہے صرف خدا کے انعامات اور اس کی طاقت کو واضح طور پر بیان کرنے اور ان قوانین کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ جو خدا نے انسانوں اور قوموں کے لئے جاری کئے ہیں۔ معترضین کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلعم نے پہلے کتب مقدسہ سے سرقہ کیا لیکن میں کہتا ہوں کہ قرآن نے ان کتابوں کے قصوں کا ذکر کر کے ان کی تشریح کر دی۔ اور انہیں نیا مذہبی رنگ دیکر اُن کی قدر افزائی کی ہے۔ مثلاً انجیل میں حضرت داؤد کا جالوت کو مارنے کا قصہ پڑھ کر پھر قرآن میں اُسی قصہ کا مطالعہ کیا جائے۔ جو اِس طرح پر ہے :-

اس نے (طالوت نے) دریا عبور کیا۔ تو وہ اور اس کے ساتھ والے کہنے لگے کہ ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں لیکن جن کا یقین تھا کہ وہ خدا سے ملیں گے بول اُٹھے کہ

"بہت ہوا ہے کہ جماعت تھوڑی غالب آئی جماعت بہت پر ساتھ حکم اللہ کے۔ اور اللہ ساتھ صبر کرنے والوں کے ہے۔ اور جب وہ میدان میں جالوت اور اُس کے لشکر کے سامنے کھڑے ہوئے تو انھوں نے کہا کہ اے خدا ہمیں سچا صبر عطا کر۔ ہمارے پاؤں محکم کر اور ہمیں ان کے مقابلہ میں مدد دے جو تیرے رضا کے خلاف کرتے ہیں"۔

یہ وہ دُعا ہے جو آپ سب کو عزیز رکھنی چاہیئے یعنے پھر لکھا ہے کہ "وہ لوگ خدا کے حکم سے غالب ہوئے۔ اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا۔ اور خدا نے اُسے پیغمبری اور حکمت عطا کی۔ اور سکھایا اُسے جو کچھ کہ چاہا۔ اور اگر بعض کو بعض کے ذریعہ اللہ دفع نہ کرتا تو تمام دُنیا بگڑ جاتی لیکن اللہ اپنی مخلوقات پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے" +

اب کیا اس قصہ سے جو قرآن میں نازل کیا گیا ہے کوئی بات زیادہ ترو ثوق کے ساتھ اُمید دلانیوالی اِس قلیل گروہ مسلمانان کے لئے ہو سکتی ہے جس نے کہ دُنیا کی تمام طاقتوں کا مقابلہ کیا۔ اور کیا جو شان اور قدر اسکی قرآن میں معلوم ہوتی ہے اور عبرانی کتاب مقدس میں نظر آتی ہے قرآن میں تو اس کا ذکر کر کے ہر زمانہ میں اسی قسم کے قلیل لیکن راستباز اور وفادار گروہ کیلئے کامیابی کی اُمید دلگئی ہے۔ اور تمام مصلحین کے لئے حوصلہ افزائی کا پیغام بھیجا گیا ہے۔ لیکن باانیہمہ آج کل کے مسلمان باوجود لاکھوں کی تعداد میں ہونے کے ان دشمنوں سے جو ہمارے مقابلہ پر ہیں ڈرتے ہیں۔ پس ہمیں پڑھنا چاہئے کہ اے خدا ہمیں صبر دے ہمارے پاؤں محکم رکھ اور ہمیں ان کے خلاف مدد دے۔ جو تیری حکومت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور پھر کہ وہ خدا کے حکم سے ان پر غالب ہوئے۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ اِس طرح ہمیں کوئی فکر نہیں +

اُوپر کی مثال میں نے بہت سی مثالوں میں ایک پیش کی ہے۔ اسی سُورۃ میں زرد بچھڑے کا قصہ۔ سُورۃ یٰسین میں عیسائی شہید کا ذکر پڑھو جسے بعض سینٹ سٹیفن کے قصے کی نقل خیال کرتے ہیں۔ قرآن میں یہ قصے اور کتابوں سے زینت کیلئے نقل نہیں کئے گئے بلکہ ان کا ذکر کرنے سے مذہبی دُنیا میں ایک نیا اور درخشندہ اضافہ ہُوا ہے۔ بچھڑے کا قصہ سنہری گائے کے واقعہ کو بخوبی واضح کرتا ہے۔ اور ایک جدید طور پر اُسے مؤثر اور بامعنے بناتا ہے اور شہادت کا تذکرہ سیاق و سباق کے لحاظ سے نہایت ہی خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ یعنے شہید سے کہا گیا کہ بہشت میں داخل ہو۔ اس نے کہا۔ اے کاش کہ میری قوم جانیں کہ میرے پروردگار نے مجھے بخشتا ہے۔ اور مجھے عزت والوں میں شامل کیا ہے۔ یہ ایک سچے مومن کا آوازہ تکلیف کے وقت ہے، اور اس حالت میں ہے جبکہ وہ رنج اور خوف کے دائرہ سے باہر ہے +

عیسائی مصنفوں کا ایک اور بھی اعتراض قرآن کے خلاف ہے کہ اس میں صریح غلطیاں ہیں۔ وہ کہتے کہ حضرت محمدؐ کو تاریخ کا اس قدر تھوڑا علم تھا کہ آپ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے زمانوں میں فرق نہیں کر سکے۔ اور جناب مسیح کی والدہ مریم اور حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ مریم کو ایک ہی سمجھا۔ مگر عیسائی مصنفوں نے ہی اسکو تردید کردی ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ کہنا

بے انصافی ہے۔ کیونکہ حضرت محمدؐ کے زمانے کے عرب ہمارے زمانے کے عربوں کی طرح نسب ناموں میں خوب ماہر تھے۔ اس غلطی کا الزام سراسر اس وجہ سے لگایا ہے کہ دونوں کا ایک ہی نام تھا۔ اور میرے نزدیک اس الزام لگانے میں کم از کم کسقدر جلد بازی سے کام لیا گیا ہے +

پھر میں دیکھتا ہوں کہ قرآن میں بعض اشخاص یا واقعات کا بار بار ذکر ہے جن کے متعلق عربی میں عام روائتیں ہیں۔ مگر جن کی نسبت ہم کچھ نہیں جانتے لیکن عیسائی مصنفوں نے مذاق کی خاطر اس قسم کی کہانیاں ان اشخاص و واقعات کے متعلق جمع کر لی ہیں جو کسی قوم نے تشریح کے لئے اپنے خیال سے پیدا کیں لیکن افسوس ہے کہ یہ سب بیہودہ پن قرآن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ قرآن کسی صورت میں بھی تصنیف کردہ نہیں چہ جائیکہ مسروقہ سمجھا جائے۔ یہ علم ادب کے لحاظ سے اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اور دنیا میں کوئی کتاب نظر نہیں آتی جسمیں ایسی جدت ہو۔ مسلمان ایک منٹ کے لئے بھی اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ حضرت محمد صلعم عام معنوں میں اس کے تصنیف کنندہ ہیں۔ اس میں رسول اکرمؐ کے دل کی کیفیت کی جھلک ایک حد تک نظر آتی ہے نیز اس زمانہ اور ملک کا حال معلوم ہوتی ہے جسمیں آپؐ رہتے تھے لیکن یہ سب کچھ آپؐ کے دنیاوی علم اور تجربہ سے بالاتر ہے۔ اور اس کے متعلق آپؐ ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ خدا کی طرف سے یہ ایک پیغام ہے۔ جو مجھے لوگوں تک پہنچانے کیلئے دیا گیا ہے۔ اور مجھے ضرور پہنچانا چاہئے۔ آپؐ خود قرآن کی تعظیم فرماتے تھے۔ اور اسکے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا جس کی ہم سب کو فرمانبرداری کرنی چاہئے +

میری اپنی رائے ہے کہ قرآن شریف ایسی کتاب نہیں جو سوچ بچار کے بعد اور کتابوں کی طرح تصنیف کی گئی ہو۔ بلکہ یہ ایک الہام شدہ ہے۔ میں جب اسے ایک نکتہ چین کی نگاہ سے پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زبردست طاقت نے محمد صلعم کے جسم و جان میں حلول کر کے آپؐ کے عہدہ کا کام کیا۔ کہ اس پیغام کو جو آسمانی تھا ایک زمینی شکل میں لے آئے۔ اور ہم فانی لوگ

اسے سمجھ سکیں +

اس کتاب کی تعظیم کرنے میں ہمیں بڑی احتیاط چاہئے صرف اسکی حروف یا اسکی جلد بندی یا الفاظ کی ہیئت ہی کی عزت کرنا گویا بت پرستی اور موت ہے بلکہ جو پیغام ہم تک پہنچا ہے وہ ہر وقت ہمارے دل میں چاہئے اور وہ ہماری جان ہونا چاہئے + قرآن کریم خود سورہ یونس آیت ۳۷ لغایت ۴۰ میں فرماتا ہے :-

وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتٰب لا ریب فیہ من رب العلمین ام یقولون افترٰہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ۝ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ کذلک کذب الذین من قبلھم فانظر کیف کان عاقبۃ الظٰلمین ۝ ومنھم من یؤمن بہ ومنھم من لا یؤمن بہ وربک اعلم بالمفسدین ترجمہ اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ خدا کے سوا کوئی اسکو اپنی طرف سے بنا لے۔ بلکہ جو (کتابیں) اس کے (زمانہ نزول) سے پہلے (موجود) ہیں (یہ قرآن) پروردگار عالم کی طرف سے ان کی تصدیق ہے۔ اور (ان ہی) کتابوں (کے احکام) کی تفصیل ہے (اور) اس (کے کتاب آسمانی ہونے) میں کچھ شک نہیں کیا (یہ لوگ قرآن کی نسبت) کہتے ہیں کہ اسکو خود پیغمبر نے بنا لیا ہے۔ تو (اے پیغمبر تم ان سے) کہو کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ (اور جیسا تم کہتے ہو۔ میں اس کے بنا لینے پر قادر ہوں) تو (تم بھی اہل زبان ہو) ایسی ہی ایک تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا (جن) جن کو تم سے (بلانے) بن پڑے (اپنی مدد کے لئے) بلا لو (یہ لوگ اس پہلو سے گریز کر کے) لگے اس چیز کو جھٹلانے جس کے سمجھنے پر ان کو دسترس نہ ہوا۔ اور ابھی تک اُسکی تصدیق کا موقع ہی انکو پیش نہ آیا۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں تو (اے پیغمبر) دیکھو (ان) ظالموں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔ اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو قرآن پر (آئندہ) ایمان لے آئیں گے۔ اور بعض ایسے ہیں جو (آئندہ بھی)

اس پر ایمان لانے والے نہیں۔ اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار مفسدوں کو خوب جانتا ہے پھر سورہ البینہ آیت ۵ و ۶ میں فرمایا:-

وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین ۵ حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویوتوا الزکوٰۃ وذالک دین القیمہ ۰ ان الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین فی نار جهنم خالدین فیها اولئک هم شر البریه ۰ ترجمہ حالانکہ (جو لوگ مخالف رہے) ان کو (اس رسول کے ذریعے سے) یہی حکم دیا گیا کہ خالص اللہ ہی کو بندگی کی نیت سے یک رخے ہو کر اسکی عبادت کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اور یہی (وہ) ٹھیک دین ہے۔ بے شک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ (دین حق سے) انکار کرتے رہے (وہ آخرکار) دوزخ کی آگ میں ہونگے (اور) اسمیں ہمیشہ (ہمیشہ) رہینگے یہی لوگ بدترین خلائق ہیں +

انتخاب از صحیح بخاری

۱۔ خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں حسنات میں سب سے بڑھ کر حسنہ وہ ہے جو مسلسل طور پر کیجاوے۔ خواہ وہ کتنی ہی قلیل مقدار میں کیوں نہ کیجاوے +

۲۔ نیک اعمال میں مستعد رہو۔ اور قبیح و شنیع اعمال سے اجتناب کرو +

۳۔ حقیقتاً تم میں دو اعلےٰ صفات شرافت و استقلال ہیں جن سے اللہ تعالےٰ اور اسکا رسول صلعم محبت کرتے ہیں +

۴۔ وہ مستقل مزاج نہیں ہو سکتا جو مصائب میں گرفتار نہ ہو +

۵۔ کاروبار میں غور و تدبر کرنا اللہ تعالےٰ کو پسند ہے +

۶۔ کاروبار میں نیک طینتی غور و تدبر بہترین ذریعہ کو اختیار کرنا انبیاء کرام کی صفات میں سے ہے +

۷۔ وہ شخص اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں بہت مقرب و معزز نہیں جو کہ حکومت و طاقت ہونے پر

عفو و درگذر نہیں کرتا - اور اس شخص کو معاف نہیں کرتا جس نے اُسے ضرر پہنچایا ہے +

۸- یہ ہرگز نہیں کہنا چاہئے - کہ اگر لوگ ہم سے بھلائی و نیکی کرینگے - تو ہم بھی ان سے بھلائی کرینگے - کہ اگر لوگ ہمیں دُکھ دینگے - تو ہم بھی انھیں آزار پہنچائیں گے - بلکہ یہانتک اسبات کا مُصمم ارادہ کر لینا چاہئے کہ اگر لوگ ہم سے بھلائی نہیں کرتے تو ہم لوگوں سے بھلائی کریں گے - اگر لوگ ہمیں ستائیں گے - تو ہم انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دینگے +

نظم

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہُدیٰ یہی ہے — اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے
مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا — اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے
شکرِ خدائے رحماں جس نے دیا ہے قرآں — غنچے تھے سارے پہلے اب گُل کھلا یہی ہے
کیا وصف اسکے کہنا ہر حرف اُس کا گہنا — دلبر بہت ہیں دیکھے دل لے گیا یہی ہے
دیکھیں ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسی خوابیں — خالی ہیں اُن کی تابیں خوانِ ہُدیٰ یہی ہے
اس نے خدا ملایا وہ یار اس سے پایا — راتیں تھیں جتنی گذریں اب دن چڑھا یہی ہے
وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا — نام اُسکا ہے محمد صلعم دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر — لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوبتر ہے خوبی میں اک قمر ہے — اس پر ہر اک نظر ہے بدرالدجیٰ یہی ہے
وہ یارِ لامکانی - وہ دلبرِ نہانی — دیکھا ہے ہمنے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے — وہ طیّب و امیں ہے اُس کی ثنا یہی ہے
حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے — جو راز تھے بتائے نعم العطاء یہی ہے
آنکھ اسکی دوربیں ہے دل یار سے قریں ہے — ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیا یہی ہے
اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں — وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ — باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

قیمت بلا جلد

قیمت مجلد ۱۲

براہین نیرہ حصہ اول

مُصنّفہ

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

یہ وہ کتاب ہے جس میں قرآن کو کُل کتب مقدسہ سابقہ کے مقابل ایک زندہ کامل اور خاتم الہام ثابت کر کر تہذیب و تمدن بشر کے لئے قرآن حکیم کی ضرورت دکھلائی گئی ہے۔ اور کُل مذاہب دیگر کے عقاید اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے تفصیل کے لئے فہرست کتاب ملاحظہ ہو:۔
عالمگیر الہام کے مُدعی۔ خدا رب العالمین ہے۔ الہام سے کوئی قوم خالی نہیں ہے۔ بزرگ کی فیاضانہ تعلیم۔ ویدکی زبان کا وقت عالمگیر الہام کے لئے موزوں نہیں تھا۔ کسی کتاب کی قدامت اسکے عالمگیر ہونے کی دلیل نہیں۔ قرآن کریم کی عالمگیر اشاعت۔ نزول قرآن کا وقت اسکی عالمگیری پر دلیل ہے قرآن کریم، کتب مقدسہ کا قائمقام مختلف طبقات عالم کے مطابق حال قرآن کی تعلیم۔ گذشتہ کتابیں عالمگیر نہیں۔ ماکولات و مشروبات اور جسمانی طہارت سے صحیح اصول تک بھی انسان الہام کے سوا نہ سمجھ سکا انسداد شراب اور حرمت قرآن غیر ذبیحہ کیوں حرام کیا گیا ذبیحہ کی تعریف۔ جھٹکہ کی مخالفت غُسل جنابت۔ موچھوں کا اصلاحی طرز کاٹنا عقل اور مذہب ہو خداداد عطیے ہیں۔ اسلئے ان میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ انجیل مسلمہ ناقص ہے۔ خاتم اور کامل کتاب کی ایک خاص شرط بسم اللہ الرحمن الرحیم میں کُل عقائد باطلہ کی تردید موجود ہے۔ فطرت اسی خدا کا پتہ دیتی ہے جس کی طرف قرآن کریم رہنمائی کرتا ہے۔ رحمانیت میں ردّ دہریت رحمانیت اور ردّ تناسخ۔ رحمانیت اور ردّ کفارہ۔ پھر رحمانیت پر غور کریں۔ لفظ رب میں تناسخ کا رد ہماری زبان کے سوا کسی اور زبان میں نہیں ہو سکتی۔ حشر اجساد کی ایک عُمدہ دلیل قرآن سے تہذیب انسان کس طور سے وابستہ ہے +
توحید کی غرض و غایت تہذیب ہے۔ توحید اور مساوات کامل توحید سے ہی کامل امن دُنیا میں قائم ہوگا۔ کائنات پر انسان کی حکومت اور سلسلہ توحید +

المشتہر

خواجہ عبد الغنی مینجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

قیمت مکمل سٹ مجلد ۶ عہ

نہایت اعلیٰ ولایتی کاغذ فی خطبہ ۳/

دیسی کاغذ مکمل سٹ ۵ عہ — ایک خطبہ ۱۰

خطباتِ غزنیہ

مصنفہ

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ووکنگ انگلستان

یہ وہ معرکۃ الآرا خطبات ہیں جو حضرت خواجہ صاحب موصوف نے اپنے قیام لندن میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے معروف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرانے کیلئے انگلستان کے مختلف مقامات پر انگریزی زبان میں دیئے بعض احباب کی فرمائش پر ہم نے مندرجہ ذیل چھ خطبات اردو میں ترجمہ کرائے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے

نمبر (۱)

مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات

(۱) میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی (۲) خدا کی کامل تصویر (۳) اسلام ہی ہتبسمہ آتش ہے (۴) الہام ایک نعمت ربوبیت ہے +

نمبر (۲)

توحید ۔ دعا ۔ تصوف

(۱) توحید الٰہی (۲) اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ دعا (۳) دعا اور استجابت دعا ۔ (۴) تصوف

نمبر (۳)

خطبات عیدین

(۱) عمل میں آزادی (۲) قربانی اور اُس کی حقیقت ۔ (۳) سُنّت ابراہیم

نمبر (۴)

دہریوں اور ملحدین کو خطاب

(۱) اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصول اور اُن کا مقابلہ (۲) دہریوں کیلئے ایک دلچسپ مطالعہ (الف) (۳) دہریوں کیلئے ایک دلچسپ مطالعہ (ب)

نمبر (۵)

اسلام اور دیگر مذاہب

(۱) خصوصیات اسلام (۲) اسلام عیسائیت اور دیگر مذاہب (۳) عیسائیت اور دیگر مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت

نمبر (۶)

حقوق نسوان

(۱) عورت نے بہودیت سے چل کر اسلام تک کیا کیا انقلاب دیکھے ۔
(۲) ایک خطبہ نکاح جو مسجد ووکنگ میں ہوا ۔

المشتہر خواجہ عبد الغنی مینیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل لاہور